مسلمانوں کے باہمی اختلافات میں

راہِ محبّت

تالیف

حضرت مولانا مفتی شاہ صاحب

سیّد مختار الدّین

خلیفہ مجاز

برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ



راہِ محبّت

تالیف
حضرت مولانا مفتی
سید مختار الدّین شاہ صاحب
خلیفہ مجاز
برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ



کل صفحات 112



مطبع
القادر پرنٹنگ پریس 021-32722272



طبع 2013ء
تعداد 2200

ملنے کے پتے

مفتی عبید اللہ صاحب (المنصور جنرل اسٹور)
جامعہ زکریا دار الایمان، کربوغہ شریف کوہاٹ۔
فون نمبر: 0925-662313 / 0302-8022313

حاجی عبد السلام صاحب
دار الایمان، ایمان منزل، مکان نمبر B-375، بلاک 10، فیڈرل بی ایریا کراچی۔
فون نمبر: 0321-3040666

ضیاء الرحمن صاحب
مکتبہ انوار القرآن، محلہ جنگی، قصہ خوانی بازار، پشاور۔
فون نمبر: 0300-5722681

شبیر احمد خان صاحب
جامعہ زکریا للعلوم الاسلامیہ، ولی آباد، بیرون کوہاٹی گیٹ، پشاور سٹی۔
فون نمبر: 03005902003

مولانا ذبیح اللہ صاحب
دار الایمان والتقوی، سورانی، بنوں۔
فون نمبر: 0331-2441353، 0928630062

محمد وقاص صاحب
مکتبہ اسلامیہ کمال پلازہ، دکان نمبر 4، کوہاٹ۔
فون نمبر: 0332-8829000

سعید قصوری صاحب
مکتبہ دار الایمان نزد پرانی چنگی، نظام پورہ روڈ، قصور۔
فون نمبر: 0300,0321-6581661

مولانا ظہور احمد عباسی صاحب
دار الایمان بالمقابل مسجد صدیق اکبر الٰہ آباد ویسٹرج 3 راولپنڈی۔
فون: 0321-2032856

فہرست عنوانات

عرض ناشر

محترم قارئین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت اقدس مفتی سید محمد مختار الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی خلیفہ مجاز برکۃ العصر قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ وبانی تحریک ایمان وتقویٰ کی شخصیت اور علمی مقام اہل علم حضرات کے حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ بالخصوص آپ کی دوگرانقدر علمی اور تحقیقی تصنیفات ''دہریت سے اسلام تک'' اور ''عقیدہ اور عقیدت'' کے حوالے سے جو اپنے اپنے موضوع پر بہترین علمی شاہکار ہونے کی بناء پر خواص وعوام سبھی سے شرف قبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ تنظیم امت اور اتحاد ملت کے سلسلہ میں عملی جدوجہد آپ کی وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے آپ کو رہنمایان ملت میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ چنانچہ زیر نظر کتاب ''راہ محبت'' اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں آپ نے انتہائی دردمندانہ اور مخلصانہ انداز میں مسلمانوں کو باہمی اتحاد واتفاق قائم کر کے کفریہ طاقتوں کی تمام سازشوں کو سبوتاژ کرنے کی دعوت دی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام دعوت دین کے اس سلسلے میں ہماری بہتر طور پر حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ رب کریم جل جلالہ ہم سب کو زندگی میں کامل بندگی بوقت موت شہادت اور روز حشر اپنی رضائے عالی کا پروانہ نصیب فرمائے۔ آمین

والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا ملک عبدالحفیظ مکی صاحب مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز برکۃ العصر حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ

الحمدللہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ
وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

اما بعد کہ اس وقت پورا عالم کفر (یہودی، عیسائی، ہندو اور کمیونسٹ وغیرہ) اسلام اور مسلمانوں کی کھلی دشمنی پر اتر آیا ہے۔ فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، صومالیہ، کشمیر، برما، فلپائن کہیں بھی نظر اٹھالیں ہر طرف اسلام دشمنی صاف صاف نظر آئے گی۔ اسی طرح اکثر اسلامی ملکوں میں کفر کی مختلف انداز سے مداخلت بلکہ فکری، اقتصادی اور سیاسی طور پر استعمار کی پالیسی ہر جگہ عملاً نافذ ہے۔ اور مسلمان بے چارے ہر جگہ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی بے بس نظر آتے ہیں اور کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کیا جائے؟ باوجود اس کے کہ مادی وسائل بھی مختلف انداز کے مسلمان ملکوں کے پاس بہت زیادہ ہیں اور اگر یہ اپنے دین پر قائم ہوجائیں تو پھر نصرت خداوندی بھی انہی کے ساتھ ہے۔ کفر کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ بھی ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے اپنے دین کو اپنایا اور متحد ہو کر کفر کے خلاف یلغار کی تو کفر ہر میدان میں ان کے سامنے کمزور ہی نہیں پڑا بلکہ چت گر گیا۔ وہ اس سے ڈر رہا ہے

اور ہر جگہ اس کوشش میں ہے کہ کہیں مسلمان اپنے دین کو اپنا نہ لیں اور کہیں متحد اور اکٹھے نہ ہو جائیں۔

اس وقت سب سے زیادہ ضرورت تو مسلمانوں کو اپنے دین کو اپنانے کی ہے اور یہ کہ وہ ہر حال اور ہر جگہ اور ہر میدان میں دین اسلام کی مبارک تعلیمات کے مطابق زندگی گزاریں اور دین کے احکامات کے مطابق ہی ہر عمل ہو اور ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی اہتمام ہو کہ آپس میں اتحاد اور اتفاق ہو، خواہ مخواہ کے جھگڑے اختلافات وتنازعات سے بچا جائے خصوصاً دیندار لوگوں کیلئے یہ بہت اہم ہے کہ دیندار ہی اگر آپس میں متحد اور اکٹھے نہیں ہوں گے تو دوسرے کیسے ہوں گے؟ اور کفر کی تو پوری کوشش ہی یہی ہے کہ مسلمان کبھی اکٹھے نہ ہوں خصوصاً دیندار لوگ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جس دن یہ مسلمان اکٹھے ہو گئے اسی دن کفر کی بربادی ہے۔ استعمار نے تو اپنی حکمرانی مسلمانوں پر ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی بنیاد پر قائم کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی مبارک ارشاد ہے:

''ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم''

(آپس میں مت جھگڑو پس تم بزدلی کرو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی)

آپس کے لڑائی جھگڑے سے مسلمانوں میں تباغض، تحاسد اور نفرتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے جھوٹ، غیبت، کبر، انانیت، تحقیر، توہین مسلم وغیرہ جیسے کبائر میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو پھر نصرت خداوندی اور رحمت باری کیسے اترے گی؟ اور اس کے بغیر دشمنوں پر غلبہ بھی ناممکن ہے۔

اس لیے سب سے اہم کام رجوع الی اللہ والی دین اللہ کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ اس کوشش کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے آپس میں تحابب وتالف

وتعاون واتحاد واتفاق پیدا کیا جائے اور آپس کی مخاصمت ومنافرت، جھگڑے اور نزاع کو پوری پوری کوشش کر کے ختم کیا جائے یا کم سے کم تر کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب (کربوغہ شریف) مدظلہ العالی کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اسی عالی مقصد کے حصول کیلئے یہ مبارک کتاب لکھی ہے۔ احقر نے اس کتاب کو پڑھا اور خوب محظوظ ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے (جو کہ ہمارے شیخ، مرشد قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں) ماشاء اللہ اپنے مخصوص انداز میں نہایت تڑپ اخلاص اور قلبی لگن سے ہر دینی طبقے ومکتب فکر کے افراد کیلئے اس مبارک مقصد کے حصول کی خاطر راہ عمل کی نشاندہی کر دی ہے اور اسے اپنانے کی مخلصانہ دعوت دی ہے۔ انشاء اللہ اگر ہر شخص اس راہ عمل کو اختیار کر لے تو اگر سبھی نہیں تو کم از کم اکثر جھگڑے اور تنازعات جو کہ بالعموم دین داروں میں خواہ مخواہ موجود ہیں ختم ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی اس سعی کو قبول فرمائیں اور برادران اسلام کو اس پر عمل کی اپنے لطف واحسان سے توفیق عطا فرمائیں کہ اسی میں ان کی دنیا وآخرت کی بھلائی وسعادت وعزت وکامیابی ہے اور عظمت رفتہ لوٹانے کا مسلمانوں کیلئے یہی واحد راستہ ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی

مکۃ المکرمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

شیخ الحدیث مولانا الطاف الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی

استاد الحدیث جامعہ امداد العلوم پشاور

حسب ارشاد قرآنی "انی جاعل فی الارض خلیفه" پوری انسانیت روئے زمین پر منشائے الٰہی کی تنفیذ کی ضامن اور ذمہ دار قرار پاتی ہے۔ پھر اس میں بھی "کنتم خیر امة اخرجت للناس" کی رو سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی ذمہ داری کے اس مضمون کو اس قدر صراحت اور وضاحت کے ساتھ بار بار دہرایا گیا ہے نیز دور نبوت اور خیر القرون اس سلسلے میں مسلمانوں کے بہت گہرے اور عمیق احساس اور اسی پر مبنی حیرت انگیز مساعی نے اس کو اس حد تک محکم اور ناقابل تردید بنادیا ہے کہ جس کے بعد اس میں کسی دوسرے معنی ومفہوم کی کوئی تاویل وتوجیہ اور اس کو ہلکا اور غیر اہم بنانے کی کوئی کارروائی ادنیٰ سے ادنیٰ وجہ جواز نہیں پاتی۔ لیکن بایں ہمہ ایک طویل زمانے اور مدت مدید سے مسلمانوں کے اندر اپنے اس فرض منصبی کا ادراک واحساس روز افزوں اضمحلال اور ژولیدگی کا شکار چلا آرہا ہے اور اب تو عالم یہ ہے کہ قدرت کی جانب سے انتہائی واضح تکوینی عقوبات اور تنبیہات کے باوجود ان کا یہ احساس ابھرتا دکھائی نہیں دیتا۔

ملائشیا سے مراکش تک پھیلا ہوا عالم اسلام انتہائی بے بسی و بے کسی کی تصویر بنا بے جان لاشے کی مانند پیر پھیلائے پڑا ہے۔ جو محض تجہیز وتکفین کی انتظامی مجبوریوں

کی بدولت چند لمحوں کی ضروری تاخیر کے بعد مٹی کا ایک علامتی ڈھیر بننے والا ہوتا ہے۔ فوا حسرتاہ. بحذف الهاء. یعنی یاحسرتاہ

ہائے وہ کیا زمانہ اور کیا زمین و آسمان تھے جبکہ شمال وجنوب اور مشرق مغرب کے آخری کناروں کو چھوتی ہوئی اسلامی دنیا کا ہر چھوٹا بڑا حصہ مرکز خلافت کے ساتھ اس طرح وابستہ اور جڑا ہوا ہوتا تھا جیسے کسی حیاتیاتی اکائی کے اعضاء جوارح اس کے مرکز حیات یعنی دل کے ساتھ مربوط و متعلق ہوا کرتے ہیں۔ خلافت کا مرکزی ادارہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی امنگوں کا ترجمان اور انہیں کی تکمیل کیلئے اپنی تمام تر توانائیوں اور وسائل کو بروے کار لایا کرتا تھا اور پوری ملت اسلامیہ اور اس کے ایک ایک فرد پر یہ احساس طاری ہوتا تھا کہ:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں سے یہ ادارہ تحلیل ہو کر رہ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی اجتماعیت اور اسی کے طفیل قائم قوت وشوکت اس طرح بکھر کر رہ گئی کہ آج کسی بھی دیکھنے والے کو قرآنی تعبیر کے عین مطابق ''کان لم تغن بالامس'' کا پورا پورا سماں دکھائی دیتا ہے۔

اسی مرکزیت اور پراگندگی کے نتیجے میں افراد ملت کی صلاحیتیں ضائع اور تائید وتقویت ملت کے سلسلے میں ان کی افادیت بے معنی ہو کر رہ گئی چنانچہ ہمارا بہت ہی بڑا سرمایہ ملت یعنی نوجوان نسل لامقصدیت کے ہاتھوں تعطل اور بے کاری کا شکار ہو کر خود اعتمادی اور حوصلہ مندی کا جوہر کھو بیٹھی، اسی صورت حال کا مرثیہ پڑھا شاعر

مشرق علامہ اقبال نے ان الفاظ میں:

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا
تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا

اس ہولناک وعبرت ناک انجام سے دو چار کرنے کیلئے دشمن نے ہمارے خلاف جو سب سے بڑا ہتھیار استعمال کیا وہ ہماری اپنی ہی صفوں کے اندر پھوٹ ڈالنا تھا۔ اس غرض کیلئے تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف تدبیریں اختیار کی گئیں جن میں سب سے نمایاں اور کارگر تدبیر یہ تھی کہ دین کے فروعی مسائل میں واقع نقطہ نظر کے اختلاف کو اچھال اچھال کر مسلمانوں کو ایک دوسرے سے بدظن اور آمادہ پیکار کیا جائے۔

کسی بھی قوم کیلئے سیاسی اور انتظامی لامرکزیت کے ساتھ اپنا تشخص قائم کرنا اور رکھنا ناممکنات میں سے ہے۔ مسلمانوں میں خلافت کے خاتمے پر لامرکزیت کی نحوست تو آئی ہی تھی دینی فروعات میں اپنے موقف کو حرف آخر سمجھنے اور قرار دیے جانے پر سخت ترین اصرار نے باہمی جوڑ توڑ کا وہ سماں باندھا کہ جس پر عقل وانصاف کا کوئی باریک سے باریک پردہ ڈالنا بھی ممکن نہ رہا اور کہنے والے کو اس کے سوا کچھ بھی کہتے نہ بن پڑا:

ناطقہ سر بہ گریبان ہے کہ اسے کیا کہیے
خامہ انگشت بدنداں ہے کہ اسے کیا لکھیئے

وجود ملی کے ان بکھرے ہوئے قاشوں کو اکھٹا کر کے ان کی دوبارہ پیوند کاری کا کام ویسے بھی کوئی آسان کام نہ تھا کہ اوپر سے ایک اور بہت بڑی مصیبت آن پڑی جس نے اتفاق واتحاد امت کی رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا اور وہ آفت یہ کہ مسلمانوں کے مختلف ملکی ٹکڑیوں کی قیادت اور زمام کاری پر کسی قدر اخلاص ولیاقت یا ذہنی ولسانی تیزی وطراری اور یا پھر محض بخت واتفاق سے قابض یہ واعظوں اور قافلہ سالاروں نے اولاً باہمی رضامندی کے جوش میں بالواسطہ اور پھر تھوڑی سی ذائقہ شناسی کے بعد خالصتاً زراندوزی کی غرض سے بلاواسطہ دین کے نام پر سودے بازیاں شروع کیں نتیجہ یہ کہ فرقہ بندیاں ان نامور علماء کرام کی ناگزیر سیاسی ضرورت بن گئیں چنانچہ اب اس کو مٹانا پہلے سے بدر جہا زیادہ مشکل اور لاینحل مسئلہ بن گیا۔

میرے خیال میں کسی بھی دردمند ملت کی اس سے بڑی اور کوئی خام خیالی نہیں ہوسکتی کہ وہ ایک ٹھیٹھ اسلامی انقلاب برپا کرنے کیلیئے ان مختلف مکاتب فکر کا اپنا الگ الگ ملکی اور اب اس سے بڑھ کر سیاسی تشخص قائم رکھتے ہوئے ایک بالکل مصنوعی اکٹھ کافی سمجھ بیٹھے۔ ہماری گناہ گار آنکھوں نے بارہا مشاہدہ کیا اور اب بھی کر رہی ہیں کہ قطعی دینی مقاصد کیلیئے کسی ایک مشترکہ پلیٹ فارم اور متحدہ محاذ پر کام کرنے کا موقع ہاتھ آیا تو ابھی منزل کی جانب ایک آدھ قدم بھی نہیں اٹھنے پایا تھا کہ سیاسی مسابقت کی جنگ نے جلد ہی خود محاذ ہی کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں اور "المسمیٰ

بالملک لا یخضع ہ کا اوسطوری مقولہ ٹھیک ٹھیک صادق ہو کر رہا۔ ان نام نہاد پیشواؤں اور مقتداؤں کی نفسانفسیوں اور خود بینیوں کا یہ لازمی منطقی نتیجہ نکل کر رہا کہ وہ عوام میں اپنا اعتماد کھو بیٹھے اور اندرون و بیرون ملک بہت وسیع پیمانے پر ناحق یہ تاثر قائم ہوا کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک پاکستان کے بسنے والے مسلمانوں کی اکثریت نے اسلام کو مسترد کر دیا ہے حاشا وکلا اہل خبر جانتے ہیں کہ یہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ پاکستانیوں نے اسلام کو نہیں اسلام کے نام پر اونچے اونچے عہدے اور بنگلے بنانے والوں کو مسترد کر دیا ہے۔

اب دین کا صحیح غم وفکر رکھنے والوں کو اس بدحال ملت کی دوبارہ شیرازہ بندی کا مہتم بالشان مرحلہ درپیش ہے بلاشبہ اس کا بنیادی ابتدائی کام یہی ہو سکتا ہے کہ دین کے نام پر بے شمار غیر ضروری اختلافات کے شکار ان لاکھوں مسلمانوں کو جو مختلف ملکی اور سیاسی دوائر میں بٹے ہوئے ہیں واضح طور پر یہ سمجھایا اور باور کرایا جائے کہ فی الواقع بنیادی طور پر ان کا دین مذہب ایک ہے قرآن وحدیث کی بنیادی تعلیمات سے زائد قیل وقال نے معاملہ خراب کر دیا ہے اور انہیں لاحاصل بحثوں نے اتحاد ملت کا راستہ روک رکھا ہے۔

ایسی مبارک اور نیک فرجام کوششوں سے امید ہے کہ ملت کی تشکیل وتعمیر نو کے راستے میں حائل سر بفلک مضبوط جعلی دیواریں خود بخود گرنا شروع ہو جائیں گی اور مسلکی تعصبات کی جگہ دینی اخوت کی آبادکاری کی راہیں ہموار ہونے لگیں گی۔

ہمارے نہایت محترم ومکرم دوست مفتی مختارالدین شاہ صاحب آف کربوغہ شریف جو ایک جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ اتفاق سے ایک ایسے دینی وروحانی خانوادہ

کے چشم و چراغ بھی ہیں جو اپنی دینی وروحانی نیک نامی کی بدولت دور دور اور اپنے گرد و پیش کے مسلمانوں کی عقیدت مندانہ مرجعیت کا بجا طور پر حامل ہے بلاشبہ وہی اس کے زیادہ اصل اور مستحق ہیں کہ وہ مسلمانوں کی اس بدحالی اور پراگندگی پر دوسروں سے بڑھ کر بے قرار ہوں اور اس کے ازالے کی فکر مندی میں بطور خاص امتیاز رکھتے ہوں۔ الحمدللہ موصوف ایسے ہی واقع ہوئے ہیں ان کی شب وروز کی اصلاحی مصروفیات بالخصوص ان کی تالیفات اور خاص الخاص زیر تبصرہ تالیف اس حقیقت کی بھرپور غمازی کیلئے بالکل ہی کافی شافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی جملہ مساعی کو بیداری امت اور اتحاد ملت کیلئے انتہائی مفید و مؤثر اور یہ دینی خدمات ان کی ذات، پورے خاندان، ہم جیسے متوسلین اور پورے ملک وملت کی قبولیت عنداللہ کا سبب اور ذریعہ بنادے۔ آمین

حضرت مولانا الطاف الرحمٰن صاحب مدظلہ
جامعہ امداد العلوم جامع مسجد درویش پشاور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

شیخ الحدیث مولانا حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم

دار العلوم حنفیہ چکوال

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اس وقت امت مسلمہ جس نازک دور سے گزر رہی ہے وہ کسی بھی باشعور وحساس مسلمان سے مخفی نہیں ایک طرف لادینی قوتیں اسلام کے خلاف متحد ہیں جبکہ دوسری طرف امت اختلاف وانتشار کا شکار ہے تیسری سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہمارے سیاسی راہنما مغرب کے ملعون نظام جمہوریت میں پھنس کر مصلحتوں کے شکار ہوئے ہیں جس کی وجہ سے امت مسلمہ اسی جدوجہد کو نفاذ اسلام کیلئے کافی سمجھ کر خواب غفلت میں سوئی ہوئی ہے یہاں تک کہ بعض علماء دین بھی اسی جمہوریت کی بحالی کیلئے کسی بھی قربانی کے دینے سے دریغ نہیں کرتے اور مزید برآں اس کو کار خیر بھی سمجھتے ہیں "فیا للغمة ولضیعة الامة" مسلمان کا اصل ہدف اعلاء کلمۃ اللہ تھا اور اس کیلئے راستہ جہاد فی سبیل اللہ تھا مگر افسوس کہ انگریز نے اپنے دور حکومت میں زیر زمین سازشوں سے مسلمان کو اپنے اصل ہدف سے ہٹا کر جزوی اختلافات میں پھنسا دیا اور ایک دوسرے سے لڑا کر اس کی ساری توانائیاں ایک دوسرے کی توہین وتذلیل میں صرف کرا دیں۔ نتیجہ یہ کہ علماء دین کی عظمت وعزت عوام کے دلوں سے رخصت ہوگئی اور ان کے اشاروں پر جو قربانی دی جاتی تھی وہ

جذبہ اور تعلق نہ رہا۔ اللہ کریم کو چونکہ یہ امت بہت پیاری ہے لہٰذا ہر دور میں جب ان پر انحطاط آیا تو انہوں نے ان کی عظمت رفتہ کی بحالی کیلئے کسی نہ کسی اپنے پیارے بندہ کے دل میں جذبہ احیاء امت ڈال کر میدان جہاد میں لے آتے ہیں۔ چنانچہ اس دور میں اس سلسلہ کی ایک کڑی حضرت مولانا مفتی مختار الدین صاحب ہیں۔ جن کے دل میں امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا ایک ولولہ جس کے لئے امت میں موجود اختلافات کو اپنی حدود کے اندر رکھ کر اتحاد کی اشد ضرورت ہے اس اہم ضرورت کے پیش نظر حضرت مفتی صاحب موصوف نے یہ کتاب لکھ کر امت مسلمہ کے اختلافات کیلئے ایسی حدود متعین کردی ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے علماء کرام اور دیگر مسلمانوں کے درمیان نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہوسکتی ہیں اور وہ توانائیاں جو اپنوں کے خلاف استعمال ہوکر ضائع ہوتی ہیں محفوظ ہوکر دشمنان اسلام کے خلاف استعمال ہوسکیں گی۔ اس کتاب کا اول تا آخر مطالعہ کیا مجموعی لحاظ سے امت کی مذکورہ بیماری کیلئے بہترین نسخہ شفاء ہے۔ اس کتاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اول تا آخر امت مسلمہ کی خیر خواہی کا جذبہ اور اخلاص وللّٰہیت کی خوشبو مہکتی ہے۔ اللہ کریم اس کو قبولیت عطاء کرکے امت کیلئے مشعل راہ بنادے۔ (آمین)

حضرت مولانا حمید اللہ جان صاحب مدظلہ

دار العلوم حنفیہ چکوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا امان اللہ صاحب دامت برکاتہم

کوہاٹ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد! حضرات قارئین! زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ زمانہ کے تقاضے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی عداوتیں کبھی زمانہ کی مصلحت کے مطابق محبتیں، کبھی امریکہ، روس کی دشمنی تھی جو کہ آج کل ایک دوسرے کے ہمدرد نظر آرہے ہیں۔ اسی طرح کسی وقت علماء اہل السنت والجماعت میں علمی تحقیقات تھیں۔ اخلاص ومحبت بھی تھی۔ جبکہ آج کل نہ وہ علم ہے نہ اخلاص ومحبت۔ نفرتیں ہی نفرتیں ہیں، مذہب کی تعمیر نہیں بلکہ تخریب ہو رہی ہے مذہب اہل سنت والجماعت کے گروہوں میں جتنی جلد مصالحت ہو سکے اتنی ہی جلد بہتر ہے۔ ذرہ برابر تاخیر سے بڑا نقصان ہو رہا ہے اس سلسلہ میں حضرت محترم واجب القدر مفتی مختار الدین صاحب کربوغہ شریف ضلع کوہاٹ نے اصلاح بین المسلمین کی بابت جو بیش بہا قیمت کتاب قوم کے سامنے پیش کی ہے وہ بہترین ہے۔ مطالعہ کے بعد سوچ وفکر پیدا کرنے والی اور اسلام کا درد اور محبت پیدا کرنے والی ہے۔ میری خواہش ہے کہ ہر طبقہ کے لوگ اس سے مستفید ہوں اس کے ساتھ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم ہر طبقہ کے اکابرین سے ملاقات کریں اور پھر ہر طبقہ کے اکابرین اکٹھے ہو کر آپس میں اتحاد ملت کی عملی تجاویز کیلئے عملی قدم اٹھائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مفتی مختار الدین

صاحب مدظلہ العالی کی یہ تحریر ایسی تحریک ہوگی جس کا نمونہ شاید کسی نے پیش نہ کیا ہو اور کامیابی کی صورت میں ہر مسلمان دعا گو ہوگا۔ میں عجلت میں یہ کلمات تحریر کر کے پیش کر رہا ہوں اگر صحیح ہوں تو الحمدللہ اور اگر اس میں غلطی ہے تو معافی کی دعا فرمائیں۔

حضرت مولانا امان اللہ صاحب مدظلہ

جامعہ سراج الاسلام، کاہی، ضلع کوہاٹ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہ

مہتمم انجمن تعلیم القرآن کوہاٹ

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

هل افسد الدین الا الملوک واحبار سوء ورهبانها

موجودہ دور میں اہل اسلام پر جو حالات گزر رہے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ عیاں راچہ بیان۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ جن حضرات کی ذمہ داری ان حالات کی اصلاح ہے وہ مزید تشدد کے میدان میں آگے بڑھ رہے ہیں اور ایک دوسرے کو سب وشتم کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ ان حضرات کو کبھی یہ فکر بھی دامن گیر ہوئی ہے کہ ہمارے اس طرز عمل سے عوام میں جو فساد برپا ہو رہا ہے اور ان کے خرمن ایمان کو جو

آگ لگ رہی ہے اس کی جواب دہی خدا کے ہاں ہوگی؟

ظالم توویکہ چشمان دو ختند

از سخنے عالمے را سوختند

اگر ذمہ دار حضرات کے اعمال ''ادفع بالتی ھی احسن'' کے مطابق ہو جائیں تو یقیناً ''فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم'' کا حسین منظر جنت ہمارے سامنے آجائے۔ یہی وہ حیات طیبہ ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں بار بار آیا ہے:

''فبذٰلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون''

ہمارے اکابر بلکہ تمام سلف صالحین نے اسی مقصد کی خاطر اپنی زندگیوں میں انتہائی تکالیف اٹھا کر مخلوق خدا کو اعتدال پر لانے کی کوششیں کیں ہیں آج بھی ایسے رہنماؤں کی اشد ضرورت ہے جو افراط وتفریط کو چھوڑ کر مخلوق خدا کو مرکزی نقطہ اعتدال پر جمع کریں۔ الحمدللہ کہ ہمارے واجب الاحترام بزرگ بقیۃ السلف مفتی مختار الدین صاحب دامت برکاتہم کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا گیا ہے جو صحابہ کرام کیلئے ہر وقت شعار وایثار تھا۔ صحابہ کرام کی شان ہر وقت دین کی فکر تھا جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تمغہ ''نجوم الہدیٰ'' سے سرفراز فرمایا:

''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم''

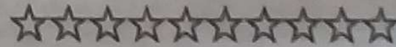
اس اہتمام فکری کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو جدوجہد کے عملی میدان میں لا کھڑا کیا ہے۔ ''فقال یا ایھا الناس اعتدلوا'' موصوف نے درد دل کی وجہ سے اپنا آرام وراحت قربان کر کے جو نسخہ ہدیٰ مرتب کیا ہے اگر ہم اس کو

بار بار غور سے پڑھیں اور ساتھ ساتھ عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں تو وہ دن دور نہیں کہ جب ہم آئندہ مستقبل قریب میں شیر وشکر بن کر احباء کی صورت میں جلوہ نما ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرما کر ہم سب کیلئے مشعل راہ بنائیں اور ہم سب کیلئے خصوصاً مؤلف کیلئے ذریعہ نجات بنائیں۔ (آمین)

والله هو الموفق يهدى من يشاء الى صراط مستقيم

وصلى الله على خير خلقه سيدنا محمد واله واصحابه اجمعين

حضرت مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہ العالی
خادم دارالعلوم انجمن تعلیم القرآن
پراچہ ٹاؤن، پنڈی روڈ، کوہاٹ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

شیخ الحدیث مولانا محمد امین صاحب دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ یوسفیہ ہنگو

امت مسلمہ جس کا صحیح منصب ومقام قرآن کریم نے "شہداء علی الناس" متعین فرمایا تھا اور اس کے صدر اول نے اس منصب کے تقاضے صحیح طور پر ادا کر کے عملاً دنیا کو دکھائے تھے۔ افسوس ہے کہ یہی امت آج جن حالات سے دوچار ہے اس پر اس کے ہر بہی خواہ کا حساس دل خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی کے یقیناً متعدد اسباب ہیں جن کی تفصیل ہر دور میں اہل فکر حضرات کرتے چلے آئے ہیں۔ ان اسباب میں سب سے نمایاں سبب ان کا تشتت وانتشار ہے، باہمی مخالفت ومخاصمت ہے اور آپس میں الفت وجذبہ اخوت کا فقدان ہے جبکہ ان کی رہنما کتاب نے انتہائی واضح اور حصر کے انداز میں انہیں "انما المؤمنون اخوۃ" قرار دیا تھا اور "رحماء بینھم" ان کی علامت بتلائی تھی اور ان کے ہادئ اعظم، معلم حکمت ﷺ نے انہیں "کونوا عباد اللہ اخوانا" کی ہدایت فرمائی تھی کبھی فرمایا:

"مثل المؤمنین فی توادھم وتراحمھم وتواصلھم کمثل الجسد الواحد"

اور کبھی فرمایا:......"المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا"

امت مسلمہ نے اپنے اس اہم ترین وصف کو اغیار کی سازشوں اور اپنی غفلتوں

کی وجہ سے کھو دیا۔ جس کا کھو دینا اپنی عزت وغلبہ کو کھو دینے کے مترادف ہے۔ یہ امت جب بھی اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کی سنجیدگی کے ساتھ کوشش کرے گی تو اس کے حصول کا یہی متعین راستہ ہے کہ آپس کی عداوت ونفرت کی تلخیاں ختم کر کے الفت واخوت کی مٹھاس سے اپنے قلب وجگر کو قوت بہم پہنچائیں۔

ہر دور میں اللہ جل شانہ کے کچھ مخلص اور مقرب بندے یہ دعوت لے کر اٹھے ہیں اور الحمدللہ ان کے مساعی مشکورہ کافی حد تک بار آور ثابت ہوئی ہیں پوری امت بالخصوص پاکستانی اور بالاخص سرحد کے مسلمان آج جس انتشار کا شکار ہیں اور اس کے برے نتائج بھگت رہے ہیں یا بھگتنے والے ہیں اس کا احساس فرماتے ہوئے ہمارے کرم فرما حضرت مولانا مفتی مختار الدین صاحب کربوغہ شریف دامت برکاتہم جو کہ اخلاص، ہمت، جرأت اور استقامت کی مثالی صفات کے حامل ہیں انہوں نے کمر ہمت باندھ لی ہے کہ کسی طرح آپس میں باہمی نفرتیں ختم ہوں یا کم از کم ان میں یہ شدت نہ رہے اور اتفاق واتحاد کی بیش از بیش صورتیں ظہور میں آجائیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر موصوف کی اور بھی بہت سی بابرکت تحریریں موجود ہیں۔ اسی سلسلہ کی یہ ایک اور زریں کڑی ہے حق تعالیٰ اسے قبول فرما کر اہل اسلام کی رہنمائی کا سبب بنائے۔

حضرت موصوف مدظلہم کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت جو کہ امت مسلمہ کے واقعی واحد مصداق ہیں غیر مسلم عناصر کے ساتھ صلح وامن کا رویہ اپنائیں انسانی اور علاقائی رشتہ کے تقاضے پورے کریں اور آپس میں مسلمانوں کے جو اختلافات ہیں ان کو سلف صالحین کا اتباع کرتے ہوئے شریعت واخلاق کی حدود

میں رکھ کر مخالفت ومخاصمت نہ بنائیں۔

اختلافی امور کی عام تبلیغ اور مخالف کی رائے وعمل کی تردید کی جائے اپنے حلقہ میں ان کی تحقیق اصلاحی فرمائیں۔ بلاشبہ حضرت مفتی صاحب موصوف کا یہ انتہائی معقول اصلاحی فارمولا ہے افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال ہی کی راہ ہے جسے اپنا کر ہم ”اھدنا الصراط المستقیم“ کے ساتھ ”صراط الذین انعمت علیھم“ اور ”ما انا علیه واصحابی“ کی حکمت کو پاسکتے ہیں۔

امید ہے کہ اہل سنت والجماعت کہلانے والے تمام گروہ ان دردمندانہ گزارشات کو خلوص ودردمندی کیساتھ سنیں گے اور قبول فرمائیں گے۔ سلف صالحین کا اتباع کرتے ہوئے شریعت حقہ کی طرف رجوع کرنے میں ہماری تمام پریشانیوں کا علاج موجود ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں صحیح بصیرت اور حسن عمل کی توفیق دے۔

وھو الھادی والموفق

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی اله وصحبه وسلم

حضرت مولانا محمد امین عفی اللہ عنہ

خادم جامعہ یوسفیہ، شاہو وام ہنگو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم !

یہ بات کسی صاحب بصیرت اور حساس شخص سے مخفی نہیں کہ آج دشمنان اسلام پہلے سے کہیں زیادہ تیزی اور ہوشیاری اور منظم اسکیم کے تحت اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی ناکام کوششیں کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں کی اکثر حکومتیں خود دشمنان اسلام کی ایجنسیاں اور آلہ کار بن چکی ہیں ان کے اکثر حکمران اور لیڈر مغربی تہذیب اور دشمنان اسلام کے رنگ میں اس قدر رنگ چکے ہیں کہ خود ان کے دلوں میں اسلامی تہذیب اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کو مٹانے کا جو جذبہ ہے شاید ان کے آقاؤں کے دلوں میں بھی نہ ہوگا۔

دوسرے اسلامی ممالک سے قطع نظر اپنے پاکستان کو ہی لیجئے جس میں علماء، مبلغین، مشائخ، صوفیاء اور مجاہدین لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں اس کے باوجود یوں لگتا ہے جیسے پاکستان ایک اسلامی ملک نہیں، غیر اسلامی ملک ہے۔ جہاں کفر کا راج ہے اور کفار کی حکمرانی ہے اور عوام محض بے جان لاشیں ہیں۔ مثلاً خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر فحاشی اور عریانی کو عام کیا جارہا ہے۔ اسلام کی پاکیزہ معاشرت کو مٹایا جارہا ہے اور رہے سہے قوانین عفت کو بھی ختم کر کے مغرب کی جنسی

تعلیم کی ترویج اور عریانی کے قوانین کا نفاذ ہو چکا ہے۔ صدیوں کی سخت محنت سے حاصل کی ہوئی اسلامی تہذیب کو غیر مؤثر کیا جا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت قلوب سے نکالی جا رہی ہے۔ توہین رسالت جیسے عظیم اور ہولناک جرم کی اہمیت کو ختم کیا جا رہا ہے۔ اسلام کے محفوظ قلعوں میں دراڑیں ڈالی جا رہی ہیں۔ دینی درسگاہوں اور مدارس میں مداخلت شروع ہو چکی ہے۔ مذہبی تنظیمیں پابند سلاسل کی جا رہی ہیں۔ علماء حق اور جان فروش مجاہدین کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ جذبہ جہاد کو مٹانے اور اسلامی تعلیمات کو پھیلانے کی کوششوں کو ختم کرنے کیلئے شیطانی ٹولے مغرب کی ایجنسیاں کھلے بندوں اور سرعام کام کر رہی ہیں۔ ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ڈش انٹینا، اخبارات اور رسائل فحش تصاویر اور مضامین کے ذریعے بے حیائی، فحاشی اور عریانی کو عام کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں اور ان کے بچوں کو جانتے بوجھتے اسلامی تعلیمات اور احکامات سے جاہل اور غافل رکھا جا رہا ہے۔ مغربی تہذیب اور اسلام دشمنی کے رنگ میں رنگے ہوئے لوگوں کو تیار کر کے انہیں اسلامی تعلیمات کا ماہر اور مفکر اسلام وغیرہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ جن کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ اسلامی احکامات، تعلیمات اور عقائد سے لوگوں کو بدظن کریں اور مسلمہ اسلامی اقدار جیسے عفت وپاکیزگی، چادر اور چار دیواری کی حفاظت جیسے مسائل پر جائز وناجائز کی مباحث کو اٹھا کر فحاشی کی قباحت کو کم کریں۔ لاقانونیت اور طوائف الملوکی کے ذریعے ملک کو کمزور کیا جا رہا ہے۔ فرقہ واریت کو ہوا دی جا رہی ہے مساجد اور دینی مدارس پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ نہتے اور مظلوم عوام پر بے رحم مسلح ڈاکوؤں کو مسلط کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے خون کو پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اور ظلم واستبداد کی اس

چکی میں شریف آدمی کا جینا دوبھر کیا جارہا ہے۔ ملک کی سالمیت کے خلاف سازشیں کی جارہی ہیں۔ کراچی کو مغرب کے ساہوکاروں کے حوالے کر کے ہانگ کانگ بنا کر دنیا کی سب سے مضبوط اسلامی مملکت کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔ اہم اور حساس قومی اداروں کو بھی سرمایہ کاری کے نام پر دشمنوں کے حوالے کیا جارہا ہے۔ پورے پاکستان کو محض اقتدار کی خاطر دشمنوں کے پاس گروی رکھا جارہا ہے۔ دفاعی اخراجات کو کم کر کے فوج کمزور کیا جارہا ہے۔ کفر کو خوش کرنے کیلئے ایٹمی پروگرام پر پابندی قبول کی جارہی ہے ملک میں ہونے والا ہر فیصلہ براہ راست اہل مغرب سے کروایا جارہا ہے اور یہ سب پاکستان کے ارباب اقتدار اور حکمرانوں کی سرپرستی میں ہورہا ہے۔

یہ سب دیکھنے کے باوجود بھی بے چارے سیدھے سادے عوام اپنے حکمرانوں اور لیڈروں کو مسلمان اور اپنا ہمدرد سمجھتے ہیں۔ عوام تو کیا بعض دینی و مذہبی پارٹیاں بھی بہت سے بدکردار خائن اور بددین لوگوں کی پشت پناہی اور حمایت کر رہی ہیں اور مشاہدات سے صرف نظر کر کے ان لوگوں کو ان کے غلط کرتوتوں سے باز رکھنے کی بجائے پوری طرح فسق وفجور اور کفریات کے پھیلانے میں ان کیساتھ دانستہ یا نادانستہ معاون بنی ہوئی ہیں۔ ایسے حالات میں پاکستان کے علماء اور مشائخ کو یہ چاہئے تھا کہ وہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو بھی بیدار کر کے ان میں پوری طرح اسلام کی روح بھر دیتے اور پوری انسانیت کو مغرب کے ظلم و بربریت اور جبر واستبداد کے پنجے سے آزاد کراتے، لادینیت فحاشی اور دوسرے کھلے منکرات اور برائیوں کو ختم کرتے اور عدل وانصاف کا نظام (دین اسلام) قائم اور نافذ کرتے۔

مگر افسوس کہ مسلمانوں کی مذہبی قیادت (علماء و مشائخ) اپنے اصل کام اور ذمہ داری کو چھوڑ کر انتہائی غیر ضروری مباحث میں الجھ کر رہ گئی ہے اور جب ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ ان غیر ضروری مباحث کو بند کرنا چاہئے تو ان میں سے بعض احباب جواب میں یوں کہتے ہیں کہ یہی تو اصل منکرات ہیں جن کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ بلکہ ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جس عقیدے یا عمل میں میرا مخالف فریق مبتلا ہے وہی ام المنکرات ہے۔ کیونکہ بے پردگی فحاشی اور زنا وغیرہ کو ہر کوئی گناہ اور منکر سمجھتا ہے۔ البتہ دین کے نام پر جو منکر ہو رہا ہو اس کے بارے میں لوگ جاہل ہیں اس کی نشاندہی اور مخالفت کرنا ضروری ہے۔ حالانکہ یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ عریانی فحاشی اور جرائم کاری وغیرہ کو ہر کوئی منکر اور برائی سمجھتا ہے اگر ایسا ہوتا تو قاہرہ کانفرنس میں اسلامی ممالک کے سربراہوں نے جن امور پر دستخط کیے ان میں بچوں کو جنسی تعلیم دینا، خاندانی منصوبہ بندی کرنا اور ہر نوع کی جنسی عریانی پھیلانا وغیرہ جیسے امور بھی شامل ہیں اور وہ سب ہمارے ملک میں نافذ العمل بھی ہو گئے۔ ان کیخلاف کس حد تک آواز بلند ہوئی اور اخبارات اور رسائل اور لوگوں کی عمومی گفتگوؤں میں ان امور پر کس حد تک ناگواری کا اظہار کیا گیا؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ بے حیائی کا اتنا بڑا اسیلاب بغیر کسی ادنیٰ مزاحمت کے نہایت خاموشی سے آ گیا؟ لگتا ہے کہ پوری قوم کے دل کی آواز تھی جس پر ہمارے حکمران قاہرہ میں دستخط کر کے آئے ہیں۔ اب اخبارات اور رسائل ٹی وی اور ریڈیو میں ہر جگہ فحاشی اور عریانیت کا پرچار ہے، لوگ مزے سے ان فاسقانہ حرکات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ نامحرم عورتوں اور مردوں کو نہایت ناشائستہ اور نازیبا کلمات بولتے سنتے اور کرتے دیکھتے ہیں۔ کتنے

لوگ ہیں جو کم از کم اپنے عمل ہی سے ان افعال کے منکر ہونے کا اظہار کر دیں؟ عمومی یہی فضا ہے کہ ان امور کو منکر سمجھنا قدامت پرستی، تنگ ذہنی اور جہالت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ جو چند لوگ کبھی ہمت کر کے ان متفقہ اور مجمع علیہ منکرات کے خلاف کچھ کہنے کی کوشش کریں تو فوراً یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ لوگ جاہل ہیں، قدامت پسند اور بنیاد پرست ہیں۔ اب آخر ہمارے علماء اور مشائخ کا یہ دعویٰ کس طرح درست ہے کہ عریانی وفحاشی، خاندانی منصوبہ بندی، جنسی تعلیم جن کا پرچار ٹی وی، ڈش انٹینا کر رہے ہیں یہ سب ایسے منکرات ہیں جنہیں سب منکر مانتے ہیں (منکر سمجھتے ہیں) لہٰذا ان کے خلاف توانائیاں لگانے اور جہاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس مسلک یا مسئلے کو ہم منکر سمجھتے ہیں اور جس کے خلاف ہماری مذہبی قیادت کا دل ودماغ اور خون کا ایک ایک قطرہ استعمال ہو رہا ہے کیا وہ واقعی ایسا گناہ اور خطرناک منکر ہے کہ جس کو مٹانا فوراً ضروری ہے؟ اور جس میں ادنیٰ تساہل ہی اسلام کی عمارت ڈھا دینے کا ذریعہ بن جائے گا اور کیا وہ (مختلف فیہ) منکر اتنا شدید ہے کہ ساری امت اس کے منکر ہونے پر متفق ہے؟

یہاں یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ جن چیزوں کی مخالفت کی جاتی ہے وہ دو طرح کی ہیں ایک وہ جو واقعی منکر ہے دوسری وہ جو محض ترجیحی مسائل اور آراء کا اختلاف ہے۔ منکر لغت میں ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو عام ذہنوں کیلئے ناپسندیدہ اور بری ہو، جسے کرنا درست نہ سمجھا جاتا ہو اور اصطلاح میں منکر ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جسے ایک صالح مسلمان جو اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہے دیکھتے ہی سمجھ جائے کہ یہ غلط اور ناجائز ہے۔ غرض یہ کہ جو تمام مسلمانوں کے نزدیک منکر اور برا ہو وہی منکر اور

برا ہے جیسے زنا، چوری، جوا، سود، اجتماعی اموال میں خیانت وغیرہ اور جیسا کہ ختم نبوت کا انکار یا فتنہ انکار حدیث اور شعائر اللہ کی توہین وغیرہ یہ اور ان جیسے متفقہ منکرات ایسے ہیں کہ ان کے خلاف توانائیاں لگانا جہاد اور عین مطلوب ہے۔ لیکن ہمارا رویہ اس سلسلے میں بالکل مختلف ہے جن لوگوں سے ہمارا اصولی اختلاف ہے اور جو حقیقی دینی منکر میں مبتلا ہیں ان سے تو ہم دوستی رکھتے ہیں اور ان سے تعلقات اور محبت بڑھاتے ہیں۔ جبکہ وہ لوگ جو ہم سے محض رائے کا معمولی سا اختلاف رکھتے ہیں اختلاف بھی ایسا جو صرف افضل یا غیر افضل یا محض ذوق کے مختلف ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے انہیں کو ہم اپنا اصل حریف خیال کرتے ہیں اور انہی کی مخالفت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتے ہیں۔

ہماری ساری قوتیں سماع موتیٰ، توسل، ایصال ثواب اور انہی جیسے مسائل کے جواز اور عدم جواز پر صرف ہو رہی ہیں حالانکہ یہ سب فروعی اور غیر ضروری معمولی اختلافات ہیں جو اہل علم میں ہمیشہ سے رہے ہیں اور جن کا رہنا عین فطرت ہے اب انہی مسائل کو کفر و شرک کی بنیاد بنانا اور ان کی بنیاد پر ہر ایک کا دوسرے سے دست بگریبان ہونا سراسر ظلم اور بہت بڑا اجرام ہے۔

فروعی اختلافات جو امت کیلئے آسانی اور رحمت کا باعث ہوتے ہیں ہماری ہاتھ میں آ کر رحمت کی بجائے زحمت بن گئے اور ان کی وجہ سے امت کو بہت سے نقصانات پہنچے۔ ایک یہ کہ آپس کے اختلافات نے ہمیں کفار مشرکین کے خلاف بزدل بنا کر رکھ دیا ہے اور دشمنوں کے مقابلوں میں ہم کمزور ہو گئے ہیں اور ہماری طاقت ہمارے اندرونی جھگڑوں میں برباد ہو گئی۔

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ ہمارے اس رویہ کی وجہ سے دشمنان اسلام کو خوب موقع مل گیا اور انہوں نے ضروریات دین اور اساسیات اسلام میں رخنہ ڈالنا شروع کردیا اور مسلمانوں کے ذہنوں سے اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی اور اسلام کی روح مٹ گئی۔

تیسرا نقصان یہ ہوا کہ ان اختلافات کی وجہ سے خود علماء بھی اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی ایذا رسانی، غیبت، بہتان، جھوٹے پراپیگنڈوں اور مذاق اڑانے میں مشغول ہوگئے اور عام مسلمان ان کے اس رویہ کو دیکھ کر ان کی برائیوں، یعنی غیبت، تحقیر وتذلیل وغیرہ کو کار ثواب سمجھنے لگے۔ یہی نہیں بلکہ جب ہم نے اپنے زیر اثر افراد کو یہ باور کرایا کہ اصل منکر یہی ہے جس کے خلاف ہم کام کررہے ہیں اور جس کو ہمارے مخالف فریق نے اپنایا ہوا ہے تو ان معمولی فروعی مسائل کو منکرات کا نام دینے کی وجہ سے عظیم نقصان یہ ہوا کہ اصل منکرات اور کھلی برائیوں کا گھناؤنا پن اور ان سے کراہت (جس کا ہونا ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے) عوام الناس تو کیا علماء ومشائخ اور دینداروں کے دلوں سے بھی رخصت ہوگئی۔ افسوس کہ ان لوگوں نے اس حقیقت کو پس پشت ڈال دیا کہ کسی بھی قوم کی دینی ومذہبی پستی کی انتہاء یہ ہوتی ہے کہ اس کے راہنما اپنے عوام کو حقائق سے بے خبر رکھ کر کھو کھلے جذبات کی تعلیم دینے لگیں۔ اور جن چند علماء ومشائخ کے قلوب میں ان کھلے منکرات کی کچھ کراہت موجود بھی ہے انہیں بھی آپس کے اختلافات نے اس قدر بزدل بنادیا ہے کہ وہ بھی ان منکرات کے خلاف زبان ہلانے کو مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں اور ایسی مجالس میں علی الاعلان آتے جاتے ہیں جہاں یہ منکرات پائے جاتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ حضرات اپنی پارٹی کے فساق وفجار کے ساتھ مداہنت کا ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں کہ فاسق

وفاجر اپنے فسق وفجور کو اچھا سمجھ کر بداعمالیوں پر اور پختہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج لاکھوں کی تعداد میں علماء، مشائخ، صوفیاء، مبلغین، واعظین موجود ہیں اور روز بروز ان کی تعداد بڑھ بھی رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود معاشرہ اصلاح و پاکیزگی کی بجائے شیطنت اور گندگی کے سیلاب کی طرف بڑھتا جارہا ہے اور مسلمان اربوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی ہر جگہ کفار کی پوری طرح غلامی میں ہیں اور ان کی غلامی اور چاپلوسی میں اس قدر ذلت ورسوائی اور بے غیرتی کی زندگی گزار رہے ہیں کہ ایسی زندگی کسی کمزور سے کمزور کافر قوم کو بھی گوارہ نہیں ہے۔ اگر ہم حقیقی مومن اور مسلمان ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ہم ہی دنیا پر غالب ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

''اور تم نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو کہ تم ہی غالب ہو گے اگر تم مومن رہے۔''

لیکن عام مسلمان ہی نہیں بلکہ عملاً مشائخ اور مبلغین کی تعداد لاکھوں تک پہنچنے کے باوجود بھی مسلمانوں کی یہ پستی اور ذلت ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں مومن کی صفات ہی موجود نہیں کیونکہ مومن اللہ تعالیٰ کے ساتھ سخت محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ''

''اور جو لوگ ایمان لائے وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتے ہیں۔''

لیکن آج ہم میں سے ہر ایک اپنے نفس کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہے اپنی جان

اور اپنی خواہشات اسے عزیز ہیں اس لیے اپنے چند جزوی مسائل یا صرف اپنی جماعت کی فکر میں غرق رہتا ہے۔ سارے مسلمان تباہ ہو جائیں، اسلام کے تمام عقائد اور ضروریات دین مٹ جائیں، مسلمانوں کا معاشرہ بلکہ پوری انسانیت ظلم وستم اور فحاشی وعریانی کے سیلاب میں بہہ جائے ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں اگر غم ہے تو صرف یہ ہے کہ ہمارے مسلک اور ہمارے اختیار کردہ چند جزوی مسائل یا ہماری جماعت کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اب ایسی صورت میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ہماری اپنی جماعتوں کے ساتھ وابستگی یا جزوی مسائل میں بحثیں کرنا خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں؟ بلاشبہ اب بھی بہت سے دردمند علماء ومشائخ وصوفیا اور مبلغین موجود ہیں اور ایسے حضرات تقریباً مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اور جماعتوں میں موجود ہیں جو چاہتے ہیں کہ پورے دین پر عمل ہو۔ تمام مسلمان ضروریات دین پر متفق ومتحد ہو جائیں۔ محض جزوی مسائل کی وجہ سے ایک دوسرے کے گریبان نہ پکڑیں۔ لیکن دوسری طرف ایسے نام نہاد علماء اور واعظین بھی ہر جماعت میں موجود ہیں جو اپنی حماقت اور ناعاقبت اندیشی سے یہود ونصاریٰ اور دشمنان اسلام کے اشاروں پر چلتے ہیں اور مسلمانوں کو متفق اور متحد ہونے نہیں دیتے۔ ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے مخلص اور دردمند دل رکھنے والے مسلمان بھی اتفاق واتحاد کے خیال کو ترک کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقیقتاً یہ شکست خوردہ رویہ بھی درست نہیں بلکہ ہمت کر کے درد مند مسلمان خواہ وہ عالم ہو یا عامی میدان میں آئے اور انسانیت کو کفر ونفاق اور ظلم سے نجات دلانے کی کوشش کرے۔ اس تمہید کے بعد اختلافات کی نوعیت وغیرہ کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

اصولی اختلافات رکھنے والوں کے درمیان صلح کی صورت

اسلام کا نام لینے والے کچھ فرقے تو ایسے ہیں جو کہ عقیدہ ختم نبوت سے انکار کرتے ہیں چاہے صراحت کے ساتھ ہو یا ظلی وبروزی امامت کے پردہ میں اور کچھ ایسے ہیں کہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں اور کچھ وہ ہیں جو انکار حدیث کی صورت میں منکر رسالت ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اس طرح دیگر ضروریات دین کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ چونکہ ادعاء کے باوجود اس قسم کے لوگوں کا اسلام اور مسلمانوں سے حقیقتاً کوئی تعلق نہیں اس لیے ان کیساتھ اتحاد کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ تاہم دین وملت کی رو سے جدا ہونے کے باوجود چونکہ وہ ہمارے ساتھ ملکی وطنی رشتہ میں منسلک ہیں اس لیے ان کے ساتھ حسن معاشرت اچھے سلوک اور پرامن بقائے باہمی کیلئے یہ ضروری ہے کہ ایک دوسرے کو گالیاں دینے ایک دوسرے کے خلاف گندے الفاظ استعمال کرنے اور ایک دوسرے کے اکابرین کے خلاف بدزبانی سے اپنے قلم اور زبان کو روکیں۔ علاوہ ازیں ایک دوسرے کی دل آزاری کرنے اور اسے جانی ومالی نقصان پہنچانے سے بھی احتراز کیا جائے۔

یہ تو ان لوگوں کا بیان تھا جن سے اختلاف کی نوعیت اصولی ہے اب ان لوگوں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے جن سے اختلاف اصلاً فروعی ہے اور وہ سب اہل سنت والجماعت کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

مقلّدین اور غیر مقلّدین کے درمیان باہمی اختلافات کی نوعیت اور راہِ محبت

اہل سنت والجماعت کے درمیان ایک اختلاف یہ ہے کہ فروعی مسائل میں کسی فقیہ شخص کی تشریح وتحقیق پر اعتماد کر کے بلا طلب دلیل کے انہی کی تقلید کی جائے یہ جائز ہے یا نا جائز؟

مسلمان علماء اور عوام کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ نفسانیت عام ہے ہر کوئی اپنی رائے کو دوسرے کی رائے پر ترجیح دینے والا اور اپنی رائے کو حرف آخر تصور کرنے والا بن چکا ہے۔ لہذا ایسی صورت میں امت کا فائدہ اور دین کی حفاظت اسی میں ہے کہ فروعی مسائل میں آئمہ متبوعین (جن کے علم وفضل امانت ودیانت فہم وفراست زہد وتقویٰ اور قرآن وسنت کا ماہر ہونا مسلم ہے) ان میں سے کسی ایک امام پر اعتماد کر کے اس کی تقلید کی جائے ورنہ ہر کوئی شخص اپنی سہولت کے مسائل تلاش کر کے اختلافی مسائل میں اپنے لیے ایک مذہب کی بنیاد ڈال دے گا جس کا منشاء خالصتاً اپنی نفسانیت کا اتباع ہوگا اور ان کے مقابلے میں کچھ علماء ایسے بھی ہیں جو اس بات کی تردید کرتے ہیں اور تقلید کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔

آج کل ہمارے زمانے میں یہ اختلاف اس قدر شدت اختیار کر چکا ہے کہ غیر مقلدین حضرات مقلدین کے متعلق یہ کہنے لگے ہیں کہ یہ لوگ شرک فی الاطاعت

کے مرتکب ہیں اور (نعوذ باللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے امام ابوحنیفہؒ کی باتوں کو مانتے ہیں بلکہ بعض غیر مقلدین اس حد تک غلو کرنے لگے ہیں کہ آئمہ متبوعین خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کے متعلق بھی دریدہ دہنی سے نہیں چوکتے اور ایسی گندی زبان استعمال کرتے ہیں جو کسی معمولی مسلمان کے شایان شان بھی نہیں ان حضرات کے اساطین علماء سے ہماری درخواست ہے کہ وہ براہ کرم بدظنی سے پرہیز کریں اور اپنے زیر اثر علماء اور ذمہ دار لوگوں کو تاکید کریں کہ وہ عوام کو یہ مغالطہ دینے کی کوشش نہ کریں کہ تقلید کرنے والے لوگ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے مقابلے میں ائمہ متبوعین امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کی اطاعت میں لگ چکے ہیں کیونکہ یہ مقلدین پر بالکل صریح بہتان اور صاف جھوٹ ہے جس کا جواب آخرت میں دینا ہوگا۔

بہر حال یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ تقلید کا تعلق صرف ان مسائل سے ہوتا ہے جن میں قرآن وحدیث کے نصوص باہم متعارض نظر آتے ہیں یا جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی واضح بیان موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں مقلدین حضرات ان فقہاء کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہیں جن کے سامنے نبی کریم ﷺ کی بنائی ہوئی جماعت یعنی صحابہ کرامؓ یا صحابہؓ کی تیار کردہ جماعت تابعینؒ کے اعمال اور ارشادات تھے۔ لہذا مقلدین اختلافی مسائل میں نبی کریم ﷺ کی صحیح پیروی کو حاصل کرنے کیلئے اسلاف کے دامن کو پکڑ لیتے ہیں تاکہ ہر مسئلے میں اللہ تعالیٰ کی صحیح بندگی اور نبی کریم ﷺ کا صحیح اتباع ہو سکے اور یہ ایک محفوظ راستہ ہے۔ اس کے برخلاف اگر ہر شخص کو قرآن وحدیث کے اجتہاد کی عام اجازت دے دی جائے تو یہ

مشاہدہ ہے کہ قرآن وحدیث بازیچہ اطفال بن جاتے ہیں اور وہ لوگ جو عربی تو کیا اردو کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے، قرآن وحدیث پر رائے زنی کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح الحاد اور زندقہ کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس حقیقت سے انکار خود خداترس غیر مقلدین علماء بھی نہیں کر سکتے۔ تقلید شخصی کے متعلق بندہ نے اپنی کتاب ''عقیدہ اور عقیدت'' میں تفصیل سے لکھا ہے، یہ مختصر رسالہ ان مباحث کا متحمل نہیں۔

دوسری طرف مقلدین حضرات میں سے بھی بعض لوگ غلو اور تشدد سے کام لے کر کہتے ہیں کہ ائمہ اربعہؒ پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اس لیے تقلید شخصی کا منکر اجماع کا منکر اور کافر ہے۔ ہماری رائے میں ان حضرات کو بھی چاہئے کہ غلو سے پرہیز کریں اور پوری دیانتداری اور خداترسی سے کام لے کر بلاوجہ کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ نہ لگائیں۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا محاکمہ

اس سلسلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تقلید کے متعلق حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے اس مضمون کو اختصار کے ساتھ نقل کر دیا جائے جو انہوں نے اپنی کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں تحریر فرمایا ہے۔

مولانا موصوف فرماتے ہیں:

''حنفی، وہابی اختلاف دو قسم کا ہے ایک تو چند فروعی مسائل کا اختلاف ہے۔ مثلاً نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ دونوں قدموں کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہئے؟ رفع یدین کیا جائے یا نہیں؟ آمین اونچی کہی جائے یا آہستہ؟ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی جائے یا نہیں؟

وغیرہ۔ ان مسائل کی تعداد خواہ کتنی زیادہ ہو ان کو فروعی اختلاف سمجھتا ہوں اور دونوں فریقوں میں سے جس کی جو تحقیق ہو اس کیلئے اسی پر عمل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر اہل حدیث حضرات ہمارے امام ابوحنیفہؒ کی تحقیق پر مطمئن نہیں تو انہیں اس پر کیوں مجبور کیا جائے؟ اسی طرح اگر ہمارے نزدیک اہل حدیث حضرات کی تحقیق لائق اطمینان نہیں تو کوئی ضروری نہیں کہ ہم ان کی تحقیق پر ہی عمل کریں۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہ فروعی اختلافات حضرات صحابہ کرامؓ، سلف صالحینؒ اور آئمہ ہدیٰؒ کے درمیان بھی رہے ہیں اور یہ اختلاف اگر اپنی حد کے اندر رہیں تو سراپا رحمت ہیں کہ امت کے کسی نہ کسی فرد کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کی ہر سنت کو کسی نہ کسی شکل میں محفوظ کر دیا ہے۔ لیکن میں ان مسائل میں تشدد کو روا نہیں سمجھتا۔ جس کے ذریعے ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف زبان طعن دراز کرے اور ان فروعی مسائل کی بنا پر ایک دوسرے کو گمراہ بتایا جائے۔ اس تشدد کے بعد یہ اختلاف رحمت نہیں رہیں گے بلکہ زحمت بن جائیں گے۔ اور امت کی عملی قوتیں ان فروعی مسائل میں خرچ ہو کر ختم ہو جائیں گی۔ ہر ایک چیز اپنی حد کے اندر رہے تو اچھی لگتی ہے اور جب اپنی حد سے نکل جائے تو وہ مذموم بن جاتی ہے یہی حال ان فروعیات کا ہے۔

حنفی وہابی اختلافات کی دوسری قسم وہ ہے جس کو میں ''نظریاتی اختلاف'' سمجھتا ہوں اور اس میں میری رائے اہل حدیث حضرات جن

کو آپ نے وہابی لکھا ہے اور عام طور پر انہیں غیر مقلد کہا جاتا ہے کے ساتھ متفق نہیں بلکہ میں ان کے موقف کو غلط سمجھتا ہوں۔ اصولی طور پر یہ اختلاف دو نکتوں میں ہے اول یہ کہ اہل حدیث حضرات کے نزدیک کسی معین امام کی اقتداء نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہر شخص کو قرآن و حدیث سے جو بات سمجھ آئے اس پر عمل کرنا چاہئے یہ مسئلہ "تقلید اور ترک تقلید" کے عنوان سے مشہور ہے جو ایک بہت ہی معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور جس پر دونوں طرف سے بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں مگر اس سلسلہ میں چند معروضات پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

(ا) تقلید کے معنی ہیں کسی لائق اعتماد آدمی کی بات کو بغیر مطالبہ دلیل تسلیم کر لینا پس جس آدمی کی بات مانی جا رہی ہے اگر وہ میرے لیے لائق اعتماد نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کی بات ماننا ہی غلط ہوگا اور اگر وہ اپنے فن کا ماہر ہے تو ایک عامی آدمی کا اس سے دلیل کا مطالبہ کرنا غلط ہوگا۔ اس کی مثال ایسی سمجھ لیں کہ آپ کسی طبیب ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور وہ آپ کے لئے کوئی نسخہ تجویز کرتا ہے اور وہ طبیب اپنے فن کا مستند ماہر ہے تو اس کے تجویز کردہ نسخہ کی ایک ایک چیز کے اجزاء کے بارے میں آپ کا بحث کرنا اور ایک ایک بات کی دلیل کا مطالبہ کرنا قطعاً نادرست اور ناروا ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ ایک عام آدمی کسی ماہر کے پاس جاتا ہی اس وقت ہے جب وہ مسئلہ اس کی عقل و فہم کی سطح سے اونچا ہو۔ ٹھیک اسی طرح

دین وشریعت کا معاملہ سمجھنا چاہیے۔ پس دین کے وہ مسائل جو آنحضرت ﷺ سے متواتر چلے آرہے ہیں اور جن کو ہر شخص جانتا ہے کہ دین کا مسئلہ یہ ہے۔ اس کے بارے میں کسی مسلمان کو نہ کسی عالم کے پاس جانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ کوئی جاتا ہے۔ دینی مسائل میں اہل علم کی طرف رجوع کی ضرورت اسی وقت لاحق ہوتی ہے جب کہ ہم جیسے عامی لوگوں کی ذہنی سطح سے وہ مسئلہ اونچا ہو۔ ایسی حالت میں دو صورتیں ممکن ہیں ایک تو یہ کہ ہم خود قرآن وحدیث کھول کر بیٹھ جائیں اور ہماری اپنی عقل وفہم میں جو بات آئے اسے "دین" سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ جو حضرات قرآن وسنت کے ماہر ہیں ان سے رجوع کریں اور انہوں نے اپنی مہارت، طویل تجربہ اور خداداد بصیرت سے قرآن وحدیث میں غور کرنے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس پر اعتماد کریں۔ پہلی صورت خود رائی کی ہے اور دوسری صورت کو تقلید کہا جاتا ہے جو عین تقاضائے عقل وفطرت کے مطابق ہے۔

ماہرین شریعت کی تحقیقات سے صرف نظر کرتے ہوئے ایک ایک مسئلہ کیلئے قرآن وحدیث میں غور کرنے والے عامی شخص کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص بہت پیچیدہ بیماریوں میں مبتلا ہو جائے اور ماہرین فن سے رجوع کرنے کو بھی اپنی کسر شان سمجھے۔ اور اس مشکل کا حل وہ یہ تلاش کرے کہ طب کی مستند اور اچھی اچھی کتابیں منگوا کر ان کا مطالعہ

شروع کر دے اور پھر اپنے حاصل مطالعہ کا تجربہ خود اپنی ذات پر کرنے لگے۔ مجھے توقع ہے کہ اول تو کوئی عقلمند ایسی حرکت کرے گا نہیں اور اگر کوئی شخص واقعی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ وہ ماہرین فن سے رجوع کیے بغیر اپنے پیچیدہ امراض کا علاج اپنے مطالعہ کے زور سے کر سکتا ہے تو اسے صحت کی دولت تو نصیب نہیں ہوگی، البتہ اسے اپنے کفن دفن کا انتظام پہلے سے کر رکھنا چاہئے۔ پس جس طرح طب میں خود رائی آدمی کو قبر تک پہنچا کر چھوڑتی ہے اسی طرح دین میں خود رائی آدمی کو گمراہی اور زندقہ کے غار میں پہنچا کر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سامنے جتنے گمراہ اور ملحد فرقے ہوئے ان سب نے اپنی مشق کا آغاز اسی خود رائی اور ترک تقلید سے کیا۔"

تقلید کے بارے میں مولانا محمد حسین بٹالوی کی رائے

مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم اس خود رائی اور ترک تقلید کا ماتم کرتے ہوئے بالکل صحیح لکھتے ہیں کہ:

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر و ارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کیلئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے داعی ہیں وہ ان

نتائج سے ڈریں اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں۔"
(اشاعۃ السنۃ نمبر ۴ جلد نمبر ۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء)

(۲) یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ عامی آدمی کو ایک معین امام کی تقلید ہی کیوں ضروری ہے؟ جو شخص قرآن و حدیث کا اس قدر ماہر ہو کہ وہ خود مرتبہ اجتہاد کو پہنچ گیا ہو وہ عامی نہیں۔ بلکہ خود مجتہد ہے اس کو کسی دوسرے ماہر فن کی تقلید نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں بلکہ جائز بھی نہیں۔ (مگر آج کل کے ہم جیسے طالب علموں کے بارے میں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ وہ اردو ترجمہ کی مدد سے مرتبہ اجتہاد کو پہنچ گئے ہیں)۔ اور جو شخص خود درجہ اجتہاد پر فائز نہ ہو اس نے خواہ کتنی کتابیں پڑھ رکھی ہوں وہ عامی ہے اور اس کو بہر حال کسی مجتہد کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اب اگر وہ ایک معین امام پر اعتماد کر کے اس کے مسائل پر عمل کرے گا تو شرعاً اس پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس نے اسے پورا کر دیا لیکن اگر وہ کسی ایک امام کی تقلید کی بجائے جس امام کی جو بات پسند آئے گی اسے قبول کرے گا تو سوال یہ ہے کہ اس کے پاس پسند و ناپسند کا معیار کیا ہوگا؟ اگر کہا جائے کہ قرآن و حدیث اس کا معیار ہے اور یہ شخص جس امام کے قول کو قرآن و حدیث کے مطابق پاتا ہے اسی کو اختیار کرتا ہے تو اس نے در حقیقت اپنی فہم کو معیار بنایا ہے۔ اس لیے کہ ہم کہیں گے کہ اگر وہ واقعی قرآن و حدیث کا ماہر اور اس کی فہم قرآن و حدیث حجت ہے تو اس کو کسی امام کی تقلید کی ضرورت نہیں یہ خود

مجتہد مطلق ہے اور اگر وہ قرآن وحدیث کا ماہر نہ ہونے کے باوجود اپنی عقل وفہم کو معیار بناتا ہے تو پھر وہ خود رائی کا شکار ہے جو اس کے دین کے لئے مہلک ہوسکتی ہے۔

(۳) بہت سے اکابرؒ اولیاء کا معمول تھا کہ آئمہ کے اقوال کو جمع کرتے اور ہر مسئلہ میں ایسے قول کو اختیار کرتے تھے جس میں زیادہ سے زیادہ احتیاط نظر آئے مثلاً ایک امام کے نزدیک ایک چیز ضروری ہے اور دوسرے کے نزدیک ضروری نہیں تو وہ حضرات ضروری والے قول پر عمل پیرا ہوتے تھے اسی طرح مثلاً ایک امام کے نزدیک ایک چیز مکروہ ہے اور دوسرے کے نزدیک مکروہ نہیں تو وہ حضرات کراہت کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس سے پرہیز کرتے تھے۔ یہ تو خدا ترس بندوں کی شان تھی مگر اب ترک تقلید کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس امام کا جو مسئلہ خواہش نفس کے مطابق ہے اس پر عمل کیا جائے۔ گویا شیطان نے اسے قرآن وحدیث کی پیروی کا رنگ دیدیا ہے۔

(۴) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ چوتھی صدی سے پہلے کسی معین امام کی تقلید کا رواج نہیں تھا بلکہ ہوتا یہ تھا کہ جس شخص کو مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی وہ کسی بھی عالم سے مسئلہ پوچھ لیتا اور اس پر عمل کرتا لیکن چوتھی صدی کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے امت کو ائمہ اربعہ کی اقتداء پر جمع کر دیا اور ایک معین امام کی تقلید کو لازم سمجھا جانے لگا اور اس زمانے میں یہی خیر کی بات تھی اس لیے کہ اب لوگوں

میں دیانت وتقویٰ کی کمی آئی تھی اگر ایک معین امام کی تقلید کی پابندی نہ ہوتی تو ہر شخص اپنی پسند کے مسائل چن چن کر ان پر عمل کیا کرتا اور دین ایک کھلونا بن کر رہ جاتا۔ پس اس خود رائی کا ایک ہی علاج تھا کہ نفس کو کسی ایک ماہر شریعت کے فتویٰ پر عمل کرنے کا پابند کیا جائے اور اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔

(۵) اہل حدیث حضرات کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ چونکہ تقلید کا رواج کئی صدیوں بعد ہوا ہے، اس لیے وہ ''بدعت'' ہے۔ مگر تقلید کو بدعت کہنا ان کی غلطی ہے۔ اس لیے کہ اول تو یہ لازم آئے گا کہ ان اہل حدیث حضرات کے سوا جن کا وجود تیرھویں صدی میں بھی نہیں تھا۔ باقی پوری امت محمدیہ گمراہ ہوگی نعوذ باللہ۔ اور یہ ٹھیک وہی نظریہ ہے جو شیعہ مذہب حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں پیش کرتا ہے اور چونکہ اسلام قیامت تک کیلئے آیا ہے اس لیے پوری امت کا ایک لمحہ کیلئے بھی گمراہی پر متفق ہونا باطل ہے۔

دوسرے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بھی یہ دستور تھا کہ ناواقف اور عامی لوگ اہل علم سے مسائل پوچھتے اور ان کے فتویٰ پر بغیر طلب دلیل عمل کرتے تھے اور اسی کو تقلید کہا جاتا ہے۔ گویا ''تقلید'' کا لفظ اس وقت اگرچہ استعمال نہیں ہوتا تھا مگر تقلید کے معنی پر لوگ اس وقت بھی عمل کرتے تھے۔ سو آپ اس کا نام اب بھی تقلید نہ رکھیے، اقتداء واتباع رکھ لیجئے۔

تیسرے فرض کرو اس وقت تقلید کا رواج نہیں تھا تب بھی اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اس لیے کہ دین و شریعت پر چلنا تو فرض ہے اور میں اوپر بتا چکا ہوں کہ آج جو ''شخصی تقلید'' کے بغیر شریعت پر چلنے کی کوشش کرے گا وہ کبھی بھی نفس و شیطان کے مکر سے محفوظ نہیں رہ سکتا اس لیے بغیر خطرات کے دین پر چلنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے کسی ایک ماہر شریعت امام کی پیروی معروضی طور پر دیکھا جائے تو اہل حدیث حضرات بھی معدودے چند مسائل کے سوا اہل ظاہر محدثین کی ہی پیروی کرتے ہیں۔ اس لیے گو انہیں ''تقلید'' کے لفظ سے انکار ہے مگر غیر شعوری طور پر ان کو بھی اس سے چارہ نہیں۔ اس لیے کہ دین کوئی عقلی ایجاد نہیں بلکہ منقولات کا نام ہے اور منقولات میں ہر بعد میں آنے والے طبقہ کو اپنے سے پہلے طبقہ کے نقش قدم پر چلنا لازم ہے۔ یہ ایک فطری چیز ہے جس کے بغیر شریعت پر عمل ممکن نہیں۔

(۶) اہل حدیث حضرات کا مولد و منشاء غیر منقسم ہندوستان ہے۔ چونکہ یہاں پہلے سے حنفی مذہب رائج تھا۔ اس لیے ان کے اعتراضات کا اول و آخر نشانہ حنفی مذہب بنا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کسر شان میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اگرچہ اہل حدیث کا بہت سا سنجیدہ طبقہ، خصوصاً ان کے اکابر و بزرگ، حضرت امامؒ کی بے ادبی کو روا نہیں سمجھتے مگر ان کا نوعمر، خام علم اور خام فہم طبقہ عمل بالحدیث کے معنی ہی حضرت امامؒ کی بے ادبی و گستاخی کرنے کو سمجھتا ہے۔

میں ان حضرات کے اس طرز عمل کو خود ان کے حق میں نہایت خطرناک سمجھتا ہوں۔ کیونکہ حضرت امامؒ کی بلندی شان کیلئے یہی کافی ہے کہ مجدد الف ثانیؒ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جیسے اکابر ان کے مقلد ہوئے ہیں اس لیے چند خوش فہم لوگوں کی تنقید سے حضرت امامؒ کی بلندی مرتبت میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا۔ البتہ سلف صالحین اور خاصان خدا کی اہانت کرنے پر خدا تعالیٰ کا جو وبال نازل ہوا کرتا ہے وہ ان حضرات کیلئے خطرے کی چیز ضرور ہے۔

اہل حدیث حضرات کے نظریاتی اختلاف کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ حضرات بعض اوقات شوق اجتہاد میں ''اجماع امت'' سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں اس کی دو مثالیں عرض کرتا ہوں:

اول: آپ کو معلوم ہوگا کہ بیس رکعت تراویح کا دستور مسلمانوں میں حضرت عمرؓ کے زمانے سے آج تک چلا آ رہا ہے اور چاروں ائمہ دین بھی اس پر متفق ہیں لیکن اہل حدیث حضرات اس کو بلا تکلف ''بدعت'' کہہ دیتے ہیں اور اس مسئلے میں میں نے بعض حضرات کو اپنے کانوں سے حضرت عمرؓ کے بارے میں ناروا الفاظ کہتے سنا ہے۔

دوم: دوسرا مسئلہ تین طلاق بلفظ واحد کا ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالے تو تین ہی طلاقیں شمار ہوں گی۔ یہ فتویٰ حضرت عمرؓ نے دیا تھا اور تمام صحابہؓ تابعین نے اس فتوے کو قبول کیا۔ مجھے کسی صحابیؓ یا تابعیؒ کا علم نہیں جس نے اس فتوے

سے اختلاف کیا ہو۔ یہی مذہب ائمہ اربعہ کا ہے (جن میں اتفاق کو میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے اجماع امت کی علامت بتا چکا ہوں) لیکن اہل حدیث حضرات بڑی جرأت سے ایسی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ مجھے یہاں ان دونوں مسائل میں ان کے شبہات سے بحث نہیں۔ بلکہ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ حضرات ان دونوں مسائل میں اجماع امت سے ہٹ کر شیعوں کے نقش قدم پر ہیں اور حضرات خلفائے راشدینؓ کی پیروی کا جو حکم رسول اللہ ﷺ نے امت کو دیا تھا اس کا رشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔

میں اس تصور کو ساری گمراہیوں کی جڑ سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور اکابر امتؒ نے فلاں مسئلہ صحیح نہیں سمجھا اور آج کے کچھ زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کی رائے ان اکابرؒ کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔ نعوذ باللہ

(اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۲۸ تا ۳۵)

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کی رائے

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کی رائے علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ کی تحریر کے بعد مناسب سمجھتا ہوں کہ متشدد مقلدین کیلئے مشہور اہل حدیث علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب کا ایک اقتباس بھی پیش کروں۔ چنانچہ نواب صاحب موصوف اپنی کتاب "ابقاء المنن بالقاء المحن" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ایک احسان خدا کا مجھ پر یہ ہے کہ میں فقط جماعت اہل سنت ہی

کو فرقہ ناجیہ جانتا ہوں حنفی ہوں یا شافعی، مالکی ہوں یا حنبلی، یا ظاہری یا اہل حدیث، یا اہل سلوک اور کسی کے حق میں ان میں سے گمان بد نہیں رکھتا اگر چہ مجھ کو یہ بات معلوم ہے کہ ہر گروہ کے اندر ان میں سے کچھ مسائل خلاف دلائل بھی ہیں اور بعض موافق نصوص، بعض فتاوی ان کے صحیح اور بعض ضعیف یا مردود ہیں۔ اس لیے کہ حکم اکثر کو ہے نہ اقل کو اور ائمہ سلف سے جو عمل بعض احادیث میں متروک ہو گیا ہے اس کے بیس عذر ہیں جو کتاب "جلب المنفعة" میں لکھے گئے ہیں۔ ائمہ سلف پر طعن مخالف سنت کا کرنا انصاف کا خون بہانا ہے۔

ہاں جو مقلد ان کے بعد وضوح دلیل کتاب وسنت کے تقلید رائے بحث پر جامد ہیں ان کو خاطی سمجھتا ہوں لیکن گمراہ بحث نہیں جانتا۔ نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتا ہوں، نہ معاذ اللہ ان کو کافر کہوں۔

مسائل وعبادات ومعاملات میں اختلافات اہل علم مکفر نہیں ہوتا ہے۔ مافی الباب یہ ہے کہ خطاء فی الاجتہاد یا خطا فی الفہم ہوتی ہے جس کو علماء پہچانتے ہیں۔ اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اگر قائل وفاعل اس خطاء کا اپنے قصد میں مخلص غیر متعصب تھا اور کسی وجہ سے قوی بھی شبہ میں گرفتار ہو گیا تو وہ خطا اس کی معاف ہو جائے اور اگر جمود اس خطاء پر عمداً براہ نفاق خدا اور رسول اللہ ﷺ کے ہے تو محل نہایت اندیشہ کا ہے لیکن کسی مسلمان راجی وخائف کی نسبت ایسی بدگمانی کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔"

"نحن نحکم بالظواھر واللہ اعلم بالسرائر"

(بحوالہ "تقلید کی شرعی حیثیت" ص ۵۹ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مقلدین اور غیر مقلدین کا اختلاف کفر اور شرک کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر اس کو فروعی اختلاف سمجھ کر ہر فریق اپنے مؤقف پر قائم رہے اور حضرات غیر مقلدین اسلاف امت ؒ اور ائمہ متبوعین ؒ کی شان میں گستاخی کرنے سے اپنی زبان اور قلم کو روکیں اور آئمہ مجتہدین ؒ پر شریعت سازی اور ان کے مقلدین پر شرک کا فتویٰ نہ لگائیں تو دونوں فریق دنیا اور آخرت میں سرفراز وکامران اور انشاء اللہ ماجور ہوں گے۔ فریقین کو چاہئے کہ عبادات کے مختلف طریقوں کو بنیاد بنا کر افتراق وانتشار پھیلانے کے بجائے اصل عبادات پر توجہ دیں کیونکہ اگر عبادات میں ان کی روح یعنی خشوع وخضوع ہی باقی نہ رہا تو خواہ کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے عبادات کا اصل مقصد حاصل نہ ہوگا۔

پس افراط وتفریط کرنے اور غلو، تشدد اختیار کرنے کی وجہ سے امت میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کا ذریعہ ہوں گے اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے غیبت بہتان جھوٹ بولنے جیسے گھناؤنے جرائم اور کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوں گے جس کا بہرحال آخرت میں جواب دینا ہوگا۔

دیوبندی، بریلوی اختلافات
کی نوعیت اور راہ محبت

برصغیر پاک و ہند میں اہل سنت والجماعت کے دو بڑے مکاتب فکر یعنی دیوبندیوں اور بریلویوں میں ایک عرصہ سے اختلاف چلا آرہا ہے اور اس اختلاف کو ایسے بھیانک رنگ میں پیش کیا جاتا ہے اور کھینچ تان کر اس انداز میں عوام کے سامنے لایا جاتا ہے کہ ایک دوسرے پر شرک اور کفر کے فتوے لگادیے جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر چند غالی اور متشدد افراد سے قطع نظر کر کے اس اختلاف کو بغور دیکھا جائے تو اتنا سنگین نہیں جتنا ظاہر کیا جاتا ہے۔ مثلاً بریلوی حضرات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو "عالم الغیب" مانتے ہیں اور آپ ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر تصور کرتے ہیں اور آپ ﷺ کو انسان اور بشر نہیں مانتے حالانکہ بریلوی مکتب فکر کے بعض جید اور محقق علماء اس کا انکار کرتے ہیں۔

بریلوی اکابر کے عقائد

بریلوی اکابر کا عقیدہ مولانا پیر محمد کرم شاہ صاحبؒ جو کہ بریلوی مکتب فکر کے مستند اور معتمد عالم مانے جاتے ہیں اور کئی علمی کتابوں کے مصنف ہیں ان کی عبارتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں جس سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ وہ بھی ان جیسے عقائد سے برائت کا اظہار کرتے ہیں۔ مولانا اپنی تفسیر "ضیاء القرآن" میں لکھتے ہیں:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصطفیٰ ﷺ کے قلب منور کو علوم غیبیہ سے بھرپور فرما دیا۔ لیکن حضور ﷺ کا علم نہ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح ذاتی ہے نہ غیر متناہی۔ بلکہ وہ محض عطائے الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط و تفصیلی کے ساتھ اس کی نسبت ذرہ اور صحرا، قطرہ اور دریا کی بھی نہیں۔ لیکن علوم خلائق کے مقابلہ میں وہ بحر ذخار ہے جس کی گہرائی کو کوئی غواص آج تک نہ پا سکا اور جس کے کنارہ تک کوئی شناور آج تک نہ پہنچ سکا۔''

(تفسیر ضیاء القرآن ج ا، ص ۳۰۱)

نیز نبی کریم ﷺ کی بشریت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ صفت بشریت سے متصف ہیں اور حضور ﷺ کی بشریت کا مطلقاً انکار غلط، سرتاپا غلط ہے۔''

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۹)

اس کے بعد پیر صاحب موصوف نے اس پر بحث کی ہے کہ آیا نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک کیلئے لفظ بشر کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''جہاں سوء ادب کا پہلو نکلتا ہو وہاں سوء ادب کی وجہ سے اس کا استعمال جائز نہیں البتہ جہاں اظہار کمال ہو یعنی بشر ہی افضل المخلوق ہے تو وہاں بشر کہنا عین تعظیم و تکریم ہے۔''

بریلوی مسلک کے بانی علامہ احمد رضا خان بریلوی حضور ﷺ کی بشریت کے بارے میں اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

''تمہارا دین یہ ہے'' اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ
''عبدہ'' پہلے فرمایا اور ''رسولہ'' بعد کو، کہ (آپ ﷺ کو) عبد کے درجے سے نہ بڑھانا۔''

(ملفوظات مولانا احمد رضا خان بریلوی، حصہ چہارم طبع کراچی ص ۴۳ بحوالہ ''تعلیمات شاہ احمد رضا خان'' ص ۳۵)

انہی ملفوظات میں علامہ صاحب نبی کریم ﷺ کے علم غیب کے مسئلہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ہم اہل سنت والجماعت کا مسئلہ علم غیب میں یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علم غیب عنایت فرمایا''

(ملفوظات حصہ اول ص ۳۴ بحوالہ سابقہ ص ۴۲)

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:

''میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کردی ہے کہ اگر تمام اولین وآخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہوسکتی جو ایک قطرے کے کروڑویں حصہ کو کروڑ سمندروں سے ہے۔''

(ملفوظات حصہ اول ص ۳۵، بحوالہ سابقہ)

بریلوی مکتب کے ان دو بزرگوں کے علاوہ اس مسلک کے دیگر کئی اکابرین نے ان مسائل میں اسی قسم کی تصریحات کی ہیں۔ جن میں مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ، مولانا محمد امجد علی صاحب، مولانا ابوالحسنات، محمد احمد شاہ صاحب، مفتی احمد یار صاحب اور پیر حمزہ شاہ صاحب جیسے نامور حضرات شامل ہیں۔

(تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمایئے ''تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی'' مطبوعہ مکتبہ نذیرہ، لاہور اور ''فتاویٰ اعلیٰ حضرت'' مطبوعہ پاک اکیڈمی بک سیلرز آرام باغ کراچی)

ان تصریحات سے اتنا معلوم ہوا کہ بریلوی حضرات بھی نبی کریم ﷺ کی بشریت کے قائل ہیں۔

اکابرِ دیوبندؒ کے عقائد

دوسری طرف بریلوی مکتب فکر کی طرف سے اکابر علمائے دیوبند پر یہ الزامات لگائے جاتے ہیں کہ یہ لوگ درود شریف کے مخالف ہیں اور آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف کرنے سے کتراتے ہیں (نعوذ باللہ) نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور گستاخ رسول کافر ہوتا ہے۔

حالانکہ یہ سراسر جھوٹ اور بدترین مغالطہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اکابر دیوبند کا مولود وغیرہ چند مسائل میں بریلویوں کے ساتھ کچھ اختلاف رہا ہے لیکن وہ نبی کریم ﷺ کے سچے عاشق اور آپ ﷺ سے گہری محبت کرنے والے ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ کے متعلق اکابر دیوبند کے ارشادات اور عمل کو پڑھتے چلیئے۔

''المھند علی المفند'' نامی رسالہ جو چند سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے تحریر فرمایا ہے اور جس پر دارالعلوم دیوبند کے مدرس اول حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ جیسے اکابر علماء دیوبند کے دستخط اور تائیدات بھی موجود ہیں۔ گویا یہ کتاب دیوبندی مکتب فکر کی نمائندہ کتاب

ہے ذیل میں اس میں سے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

''اکابرین دیوبند سے جب قبر النبی کریم ﷺ کی زیارت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین ﷺ (ہماری جان آپ ﷺ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب ہے۔ گو شد رحال اور بذل جان ومال سے نصیب ہو اور سفر کے وقت آپ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات وزیارت گاہ ہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے پھر جب وہاں حاضر ہو گا تو مسجد نبوی کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی اس صورت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے۔''

(المہند ص ۲۸ مکتبہ مدینہ لاہور)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''وہ حصہ زمین جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارک کو مس کیے ہوئے ہے علی الاطلاق افضل ہے۔ یہاں تک کہ کعبہ اور عرش وکرسی سے بھی افضل ہے چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔''

جب ان سے ذکر نبی کریم ﷺ کے بیان کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا تم اس کے قائل ہو کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ذکر ولادت شرعاً

قبیح سیئہ حرام ہے یا اور کچھ؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ:

"حاشا کہ ہم تو کیا کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ کا ذکر بلکہ آپ ﷺ کی جوتیوں کے غبار اور آپ ﷺ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کے تذکرہ کو بھی قبیح و بدعت سیئہ یا حرام کہے۔ وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ ﷺ سے ذرا سا بھی علاقہ ہے۔ ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ ﷺ کے بول و براز، نشست و برخاست اور بیداری و خواب کا تذکرہ ہو۔ جیسا کہ ہمارے رسالہ "براہین قاطعہ" میں متعدد جگہ بصراحت مذکور اور ہمارے مشائخ کے فتوی میں مسطور ہے۔ چنانچہ شاہ محمد اسحاق صاحبؒ دہلوی مہاجر مکی کے شاگرد مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کا فتوی عربی میں ترجمہ کر کے ہم نقل کرتے ہیں تاکہ سب کی تحریرات کا نمونہ بن جائے۔ مولانا سے کسی نے سوال کیا تھا کہ "مجلس میلاد شریف کس طریقہ سے جائز ہے اور کس طریقے سے ناجائز؟" تو مولانا نے اس کا یہ جواب لکھا کہ "سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ولادت شریفہ کا ذکر صحیح روایات سے ان اوقات میں جو عبادات واجبہ سے خالی ہوں ان کیفیات سے جو صحابہ کرامؓ اور ان اہل قرون ثلثہ کے طریقے کے خلاف نہ ہوں جن کے خیر ہونے کی شہادت حضرت محمد ﷺ نے دی ہے ان عقیدوں سے جو شرک وبدعت کے موہم نہ ہوں ان آداب کے ساتھ جو صحابہؓ کی اس سیرت

کے مخالف نہ ہوں جو حضرت ﷺ کے ارشاد "ما انا علیہ واصحابی" کی مصداق ہے۔ان مجالس میں جو منکرات شرعیہ سے خالی ہوں سبب خیر و برکت ہے بشرطیکہ صدق نیت اور اخلاص اور اس عقیدہ سے کیا جائے کہ یہ بھی منجملہ دیگر اذکار حسنہ کے ذکر حسن ہے۔کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں پس جب ایسا ہوگا تو ہمارے علم میں کوئی مسلمان بھی اس کے ناجائز یا بدعت ہونے کا حکم نہیں دے گا۔اس سے معلوم ہوگیا کہ ہم ولادت شریفہ کے منکر نہیں بلکہ ان ناجائز امور کے منکر ہیں جو اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔جیسا کہ ہندوستان میں مولود کی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ واہیات موضوع روایات بیان ہوتی ہیں مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے چراغوں کے روشن کرنے اور دوسری آرائشوں میں فضول خرچی ہوتی ہے اور اس مجلس کو واجب سمجھ کر جو شامل نہ ہوں اس پر طعن و تکفیر ہوتی ہے اس کے علاوہ اور منکرات شرعیہ ہیں، جن سے شاید ہی کوئی مجلس میلاد خالی ہو۔پس اگر مجلس مولود منکرات سے خالی ہو تو حاشا کہ ہم یوں کہیں کہ ذکر ولادت شریفہ ناجائز اور بدعت ہے اور ایسے قول شنیع کا کسی مسلمان کی طرف کیوں کر گمان ہوسکتا ہے؟ پس ہم پر یہ بہتان جھوٹے ملحد دجالوں کا افتراء ہے۔خدا ان کو رسوا کرے اور ملعون کرے خشکی و تری، نرم و سخت زمین میں۔"

(المہند ص ۵۸ تا ۶۱)

(۴) جب ان سے توسل بالاشخاص جس کے متعلق پوچھا گیا کہ

کیا وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاؑ، صدیقین اور شہداء واولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟ تو جواب میں فرمایا:

''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء وصلحاء واولیاء وشہداء وصدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں یا بعد وفات۔ بایں طور کہ کہے یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں یا اس جیسے اور کلمات کہے، چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے، ہمارے شیخ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم المکیؒ نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی اپنے فتویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور یہ مسئلہ اس کی پہلی جلد کے صفحہ ۹۳ پر مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔''

(المہند ص ۳ تا ۳۱)

جب ان سے حیات النبی ﷺ کے متعلق پوچھا گیا تو اس کی تفصیل میں جواب یوں دیا:

''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت محمد ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں جو حاصل ہے تمام

مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "انباء الاذکیا بحیوۃ الانبیاء" میں بہ تصریح لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسے دنیا میں تھی اور موسیٰ کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اس کا نام "آب حیات" ہے۔

(المہند ص ۳۲ تا ۳۳)

مندرجہ بالا ساری عبارتیں ہم نے "المهند علی المفند" سے نقل کی ہیں جو اکابرؒ علماء دیوبند کے عقائد وافکار کی ترجمان کتاب ہے۔ اس کو پڑھ کر سوچیے کہ یہی وہ اکابر دیوبند ہیں جن کے بارے میں سادہ لوح مسلمانوں کو بھڑکایا جاتا ہے۔ ان پر رسول ﷺ کے گستاخ ہونے کا فتویٰ لگایا جاتا ہے اور انہیں کافر قرار دیا جاتا ہے اور یہ المہند صرف اکابر دیوبند کے عقائد کی ترجمان کتاب نہیں بلکہ ان کے بعد بھی آج تک علماء دیوبند کے وہی عقائد اور نظریات ہیں جو المہند میں مذکور ہیں۔ چنانچہ اس رسالہ میں سید مفتی عبدالشکور ترمذیؒ نے کچھ اضافے کیے ہیں اور آج تک جو اکابر علماء دیوبند موجود ہیں ان سب کے دستخط اور تائیدات حاصل کی ہیں۔ پھر اس

رسالہ کو شائع کیا ان میں سے چند مشہور علماء کے نام لکھے جاتے ہیں:

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت علامہ محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب، حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی، حضرت مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا سرفراز صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا عبدالکریم صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا عبدالکریم صاحب دامت برکاتہم العالیہ کلاچی وغیرہ۔

المہند کے متعلق جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ مسلک دیوبند کی ترجمان ہے تو اب بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء اور ان کے تعلیم یافتہ حضرات سے درخواست ہے کہ "المہند" سے جو کچھ اختصار کے ساتھ اوپر نقل کیا ہے، اسے بغور پڑھیں بلکہ ہو سکے تو پوری کتاب (المہند) جو مکتبہ مدنیہ اردو بازار اور ادارہ اسلامیات لاہور سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ ٹھنڈے دل سے پڑھیں اور پھر دل پر ہاتھ رکھ کر انصاف سے بتائیں کہ کیا واقعی مسلک دیوبند سے وابستہ علماء نبی کریم ﷺ کے گستاخ ہیں یا وہ آپ ﷺ سے محبت رکھنے والے اور آپ کے جاں نثار لوگ ہیں۔

پھر ان کی محبت صرف زبانی ہی نہیں بلکہ وہ نبی کریم ﷺ کی دل و جان سے سچی اتباع بھی کرنے والے ہیں اور پھر صرف اس رسالے پر ہی اکتفاء نہ کریں بلکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی تفسیر "معارف القرآن"، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

صاحب کا رسالہ ''زاد السعید'' اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ صاحب کا رسالہ ''فضائل درود شریف'' وغیرہ کا بھی مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ واقعی یہی لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کی محبت میں فنا ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ کی سچی اتباع کرنے والے ہیں۔ باقی رہے وہ لوگ جو نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور جن کی زبان وتحریر کلمات سے گندی رہتی ہیں سو ان سے علماء دیوبند بری ہیں اور اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ بلکہ جس بات میں وہ نبی کریم ﷺ کی بے ادبی کا شائبہ بھی محسوس کرتے ہیں وہ اسے سختی سے روک دیتے ہیں اور اگر نہ رکے تو قتل کرنے کا فتویٰ تک دیتے ہیں چنانچہ نمونہ کے طور پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا صرف ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے:

سوال: شاعر جو اپنے اشعار میں آنحضرت ﷺ کے صنم بابت آشوب ترک فتنہ عرب باندھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ الفاظ قبیحہ بولنے والا اگرچہ معنی حقیقیہ معانی ظاہرہ خود مراد نہیں رکھتا بلکہ معنی مجازی مقصود لیتا ہے تاہم ایہام گستاخی واہانت واذیت ذات پاک حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ ﷺ سے خالی نہیں، یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ ''راعنا'' بولنے سے صحابہؓ کو منع فرمایا ''انظرنا'' کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا حالانکہ مقصود صحابہؓ کو معنی ہرگز نہ تھے جو یہود مراد لیتے تھے مگر ذریعہ شوخی یہود کا اور موہم اذیت وگستاخی جناب رسالت کا تھا لہٰذا حکم ہوا:

''لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا''

علیٰ ہذا حضرات صحابہؓ کا پکار کر بولنا مجلس شریف آنحضرت ﷺ میں ہرگز بوجہ اذیت و گستاخی معاذ اللہ نہ تھا بلکہ حسب عادت وطبع تھا مگر چونکہ اذیت و بے ادبی شان والا کا اس میں ایہام تھا یہ حکم ہوا:

"یا ایها الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون"

کیا صاف حکم ہے کہ اگرچہ تمہارا قصد گستاخی نہیں مگر اس فعل سے تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی اور ایسا ہی حدیث میں "تکنی بکنیة ابی القاسم" آپ (آپ ﷺ کو ابو القاسم کہہ کر پکارنا) آپ کی حیات شریف میں منع ہوگئی تھی۔ بوجہ اذیت ذات سرور عالم ﷺ کے کہ کوئی کسی کو اگر پکارے گا تو آپ یہ سمجھ کر کہ مجھ کو ارادہ کرتا ہے التفات فرمائیں گے حالانکہ نادی ہرگز اذیت رسول ﷺ نہیں کرتا تھا اور ابن ماجہ نے روایت کیا کہ اشعثؓ بن قیس کندی جب آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ہم میں سے نہیں اور یہ عرض والغیب عند اللہ تعالیٰ بایں وجہ تھی کہ سب عرب از قریش تا کندہ بنو اسماعیل ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہماری ماؤں کو تہمت زنا مت لگا اور ہمارے نسب کی نفی ہمارے باپوں سے مت کر، ہم اولاد نضر ہیں۔ دیکھو اس لفظ میں فقط ایہام بعید کو کس قدر آپ نے نفی کر کے نہی فرمایا اور کلام کا ادب تلقین کیا و علی ہذا خبثت نفسی کو منع فرمایا اور لقست

نفسی کی اجازت دی کہ وہ بظاہر سخت لفظ ہے۔ گو معنی ایک ہیں الحاصل ان الفاظ میں گستاخی اور اذیت ظاہرہ ہے پس ان الفاظ کا بکنا کفر ہوگا۔

راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو (نوٹ) راعنا کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ "ہماری طرف توجہ دو" دوسرے "اے ہمارے چرواہے" چونکہ منافقین مدینہ اس طرح کا دو نقطہ معنی لفظ کہہ کر مراد چرواہا لیتے تھے اس لیے ان الفاظ کو منع فرما کر انظرنا کہنے کا حکم دیا گیا جس کے ایک ہی معنی ہیں ہماری طرف دیکھئے۔

اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز پر مت بلند کرو اور نہ آپ کے سامنے ایسے زور سے بولو جیسے تم آپس میں زور سے باتیں کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ (ابی القاسم کنیت رکھنا، میرا نفس خبیث ہو گیا، میرا دل پتھر بنا گیا) پس اس قسم کے کلمات کفر کے لکھنے والے کو شدت سے منع کرنا چاہئے اور مقدور ہو اگر باز نہ آئے تو قتل کرنا چاہئے کہ موذی و گستاخ شان جناب کبریا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور ان کیلئے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ شفاء میں کہا ہے کہ دوسری وجہ یہ ہے کہ قائل نے جب حضور ﷺ کے متعلق فرمایا اور اس کا ارادہ گالی اور نقص نکالنے کا نہ ہو اور نہ اس کا یہ مقصد ہو لیکن اس نے نبی کریم ﷺ کے

بارے میں کلمہ کفر کہا لعنت گالی یا آپ ﷺ کو جھٹلانے یا کسی ایسی چیز کی طرف آپ ﷺ کی نسبت کرنے سے جو آپ ﷺ پر جائز نہ ہو یا اس چیز کی نفی کر کے جو اس کیلئے واجب ہو جس سے نبی کریم ﷺ کی تنقیص ہو یہاں تک کہ کوئی سفاہت کا قول یا کوئی قبیح کلام کرے اور آپ ﷺ کے بارے میں ایک قسم کی گالی دے اور اگر اس کی حالت دلیل سے ظاہر ہو کہ اس نے آپ کی برائی کا قصد نہیں کیا اور نہ گالی کا قصد کیا یا تو جہالت نے اس کو اکسایا اس بات پر جو اس نے کہا خواہ تنگ دلی سے یا نشہ میں یا آداب کا لحاظ کم رکھنے میں اور زبان کو قابو میں رکھنے میں یا بغیر سوچ سمجھ کہنے سے یا کلام میں بے باکی سے تو اس وجہ کا حکم اول درجہ کا حکم ہے قتل بلا تردد۔

(فتاویٰ رشیدیہ)

ان تمام تصریحات کے بعد اب بھی جو لوگ دیوبندی علماء پر رسول اللہ ﷺ کے گستاخ ہونے کا فتویٰ لگاتے ہیں وہ بلاشبہ بہت بڑا ظلم کرتے ہیں ہماری درخواست ہے کہ بریلوی حضرات اکابر علماء دیوبند کے متعلق بدگمانی میں مبتلا نہ ہوں اور نہ ہی ان کی تحریرات کو غلط انداز میں پیش کیا کریں۔ اسی طرح بریلوی مکتب فکر کے بعض علماء نبی کریم ﷺ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں یا وہ نبی کریم ﷺ کو خدا کا درجہ دیتے ہیں تو ایسے الزامات لگانا ان کے ساتھ بھی بہت زیادتی اور ظلم ہے۔ کیونکہ جب ان کے جید علماء نبی کریم ﷺ کی بشریت کے منکر نہیں اور وہ نبی کریم ﷺ کے علم کلی اور ذاتی وغیرہ جیسے عقائد فاسدہ سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں تو

پھر کیا وجہ ہے کہ ان پر بھی وہی الزام لگایا جائے جس سے وہ برأت کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ بریلویوں اور دیوبندیوں کے درمیان کچھ نظریاتی اور عملی مسائل کا اختلاف ضرور ہے، مگر کچھ ان میں ایسے اختلافات ہیں جن میں بظاہر نزاع لفظی معلوم ہوتا ہے لیکن ان تمام اختلافات کو ایک دوسرے کے ساتھ نشست و برخاست کے ذریعے اور بھی کم کیا جاسکتا ہے کیونکہ جب خود ساختہ نفرتوں کی خلیج دور ہو جائے گی ایک دوسرے کے ساتھ میل جول بڑھے گا، تبادلہ خیال ہوگا اور ایک دوسرے سے استفادہ کیا جائے گا تو ان شاء اللہ یہ مسائل بھی خود بخود افہام و تفہیم سے حل ہو جائیں گے۔ پھر بھی اگر کچھ اختلاف باقی رہ گیا تو ایسی صورت میں ہر فریق اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرنے کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کرے گا جیسا کہ شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی حضرات کے باہمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ وسماع موتٰی اختلافات کی نوعیت اور ان میں راہ محبت

اکابر دیوبند اور مسلک دیوبند کی طرف انتساب کرنے والے حضرات میں سے کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جنھوں نے بعض مسائل و نظریات میں اکابر دیوبند کے مسلک سے ہٹ کر تفرد اختیار کیا ہوا ہے۔ بلکہ ان کا طرز عمل اور اسلوب تعبیر ہی

عام دیوبندی حضرات سے مختلف ہے۔ یہ حضرات ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً اکابر علماء دیوبند نبی کریم ﷺ کیلئے قبر مبارک میں برزخی حیات کے ساتھ جسمانی حیات کے بھی قائل ہیں۔ جبکہ یہ لوگ صرف برزخی حیات (جو کہ ہر انسان کو قبر میں حاصل ہوتی ہے) کے قائل ہیں اور جسمانی حیات کے منکر ہیں۔

اکابر علماء دیوبند، شیخ عبدالوہاب نجدیؒ اور ان کے متبعین نیز حافظ ابن تیمیہؒ اور جمہور اہل السنۃ والجماعت کا یہ خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے نزدیک صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو آپ ﷺ اس کو سنتے ہیں لیکن ''اشاعت التوحید والسنۃ'' کی اکثریت اس کا انکار کرتی ہے۔

غرض اس طرح کے چند اور نظریاتی اور فروعی اختلافات ان کے اور عام دیوبندی حضرات کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ افسوس کہ ان مسائل کی بنیاد پر دونوں فریقوں میں شدت پسند افراد پیدا ہو چکے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے پیچھے نماز تک نہیں پڑھتے۔ بلکہ ایک دوسرے کے خلاف نفرتیں پھیلاتے اور ایک دوسرے پر نہایت بے رحمی سے کفر وشرک کے فتوے لگاتے ہیں۔

بعض منکرین حیات غلو کر کے کہتے ہیں کہ حیات وسماع کے عقائد قرآن وسنت کے خلاف ہیں اور وہ اس کیلئے قرآن مجید کی بعض آیتوں سے استدلال کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ موت کے بعد حیات جسمانی اور سماع کو ماننا قرآن وسنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے کفر ہے۔ نیز ان کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد جب کان بند ہو جاتے ہیں اور انسان منوں مٹی کے نیچے چلا جاتا ہے تو آواز کے پہنچانے اور سننے کے تمام ذرائع ختم ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس کے بعد بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی ہماری

آواز سنتا ہے گویا بلا اسباب کے سماع کا قائل ہونا ہے حالانکہ صفت السمیع اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس صورت میں عقیدہ ''شرک فی السمیع'' لازم آتا ہے۔

اس کے برعکس جو حضرات حیات النبی ﷺ اور سماع موتیٰ ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض اتنے غالی ہیں کہ منکرین پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص حیات برزخی کا پوری تفصیل یعنی حیات جسمانی کے ساتھ انکار کرتا ہے وہ گستاخ رسول ہے اور گستاخ رسول کافر ہوتا ہے۔ نیز وہ سماع موتیٰ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ اس کا انکار کرنا متواتر احادیث کا انکار کرنا ہے جو کہ کفر ہے۔

اس سلسلہ میں فریقین نے کافی ضخیم کتابیں لکھی ہیں لیکن اختلافات کتابوں کے لکھنے سے کم نہیں ہوتے بلکہ بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے اختلافات کو ختم یا کم کرنے کیلئے اگر منکر فریق کے متشدد علماء کو یوں سمجھایا جائے کہ اگر ان عقائد سے قرآن وسنت کی مخالفت لازم آتی ہے تو کیا مسلمانوں کے اکثر علماء جن میں بڑے بڑے مفسرین، محدثین اور فقہائے کرامؒ شامل ہیں (العیاذ باللہ) اس بات کو نہ سمجھ سکے اور سب کفر وشرک میں مبتلا ہو گئے نیز انہیں سمجھایا جائے کہ اللہ کے بنائے ہوئے اسباب صرف مادی وظاہری ہی نہیں ہوتے بلکہ غیر مادی اور پوشیدہ بھی ہوتے ہیں۔ صرف ظاہری اسباب کو ماننا اور پوشیدہ اسباب کو نہ ماننا دہریوں کا طرز فکر ہے۔ حالانکہ مسلمان تو غیبی ذرائع یعنی وحی اور فرشتوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں پھر یہ کہ معلومات کے ذرائع میں کشف اور الہام بھی شامل ہیں۔ نیز وحی رسالت کے علاوہ

بعض دوسرے اسباب میں تمام انسان بلکہ جانور بھی شریک ہیں۔ دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل کے کافر ساتھیوں نے خواب دیکھے اور سچ نکلے۔ نیز عزیز مصر کو آئندہ چودہ سال کی معلومات خواب کے ذریعے حاصل ہوگئی تھیں احادیث میں آتا ہے کہ جانور مردے کے عذاب کو محسوس کرتے ہیں نیز جب مرغا اذان دیتا ہے تو وہ فرشتے کو دیکھتا ہے اور جب گدھا ہانکتا ہے تو وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔ غرض یہ کہ اسباب صرف مادی اور ظاہری نہیں ہوتے بلکہ غیر مادی اور مخفی بھی ہوتے ہیں جو ہمارے علم میں نہیں ہیں اس لیے جو لوگ مردوں کے سننے کے قائل ہیں ان کا یہ مطلب نہیں کہ مردوں کا سننا ان کی کوئی ذاتی صفت ہے یا وہ بلا واسطہ اسباب کے سنتے ہیں۔ کیونکہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ سماع وبصر وغیرہ کی ذاتی صفت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے جس میں کوئی شریک نہیں اور جو شخص کسی بھی مخلوق کیلئے خواہ وہ آسمان پر ہو یا زمین پر، فرشتہ ہو یا انسان، قبر میں ہو یا زمین پر کسی حالت میں بھی بالذات اور بلاتوسط اللہ تعالیٰ کی صفت سماع یا کسی اور صفت کو مانتا ہو وہ بالاتفاق صریح شرک کا مرتکب ہے۔ جس کی عقل ونقل دونوں تردید کرتی ہیں اور جس سے عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ اور سماع موتیٰ والے علی الاعلان برأت کرتے ہیں۔ نیز اگر ان مسائل میں کسی شرک کا شائبہ ہوتا تو خاتم النبیین ﷺ قلیب بدر کے موقع پر، کفار مکہ سے خطاب پر حضرت عمرؓ کے استفسار پر کہ یہ تو بے جان مردے ہیں صاف صاف بتاتے کہ میرا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ مردے سنتے ہیں بلکہ میں تو محض زجراً توبیخاً کہہ رہا ہوں یا یہ صرف میری خصوصیت ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ سننے والے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

اسی طرح احادیث سے مردوں کا سلام سننا اور ان کا زندوں کے پاؤں کی

آہٹ سننا ثابت ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب قبرستان تشریف لے جاتے تو قبرستان والوں کو سلام کرتے تھے۔ اگر اس عمل میں عقیدہ کی کسی خرابی کا خدشہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور اپنے معمول کی تشریح وتوضیح فرماتے کیونکہ شریعت مطہرہ شرک کے بارے میں بے حد حساس ہے حتیٰ کہ اگر ایک شخص نے یوں کہا کہ ماشاء اللہ و ماشاء فلاں (کہ جو اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "یوں مت کہا کرو کہ جو اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا بلکہ یوں کہو کہ پہلے اللہ نے چاہا اس کے بعد فلاں نے چاہا، تاکہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے ساتھ کسی کا نام بھی نہ آئے" یہی حال حیات النبی ﷺ کے عقیدہ کا ہے جو لوگ اس کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کو قبور مبارکہ میں جسمانی حیات حاصل ہے اور وہ ان کی حیات دنیوی بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان حضرات نے وفات نہیں پائی اور ان کی روحیں جسم کے اندر داخل ہو کر ان کے عنصری اجسام کے ساتھ چلتی پھرتی ہیں اور وہ ان ہی اجسام عنصری کے ساتھ مجالس میں حاضر ہوتے ہیں کیونکہ یہ تو قطعاً غلط ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان حضرات پر موت طاری ہوئی ہے اور ان کی ارواح اس وقت ملاء اعلیٰ میں ہیں لیکن اجسام کی ساتھ ان کی ارواح کا تعلق باقی ہے جیسے کہ سورج کا تعلق زمین کے ساتھ اور اسی تعلق کی وجہ سے ان کے اجسام خراب ہونے سے محفوظ ہیں اور اسی وجہ سے وہ زائرین کو سلام کا جواب دیتے ہیں اور اس عقیدہ کے رکھنے میں نہ تو قرآن کا انکار ہے نہ کوئی شرک لازم آتا ہے اور نہ ہی کوئی اور خرابی ہے ورنہ اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم ﷺ عذاب قبر کے بیان کے موقع پر صاف صاف فرماتے کہ عذاب وراحت صرف روح کو ہوتا ہے

بدن کو نہیں لیکن آپ نے بغیر کسی تفریق کے عذاب قبر سے ڈرایا بلکہ عذاب قبر کے متعلق بعض ایسے ارشادات آپ ﷺ نے فرمائے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کو برزخ میں عذاب یا راحت کے ساتھ ساتھ اس عذاب کے کچھ اثرات بدن پر بھی پڑتے ہیں البتہ ابن حزم ظاہری وغیرہ نے اس میں اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عذاب وراحت کا تعلق صرف روح سے ہے۔ لیکن جمہور اہل السنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ عذاب قبر بدن اور روح پر ہوتا ہے اگر چہ بدن ذرہ ذرہ ہو گیا لیکن پھر بھی عذاب کا اثر ان بکھرے ہوئے ذرات پر ہے عذاب قبر کے متعلق جمہور اہل السنت والجماعت کا عقیدہ اور نظریہ معلوم ہونے کے بعد حیات انبیاء کے مسئلہ کی نوعیت خود بخود سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ مسئلہ شرک وکفر کا نہیں کیونکہ اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ روحانی قوت کے لحاظ سے ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ انسانوں کے بے شمار درجات ہو سکتے ہیں تو جب عام انسانوں کے متعلق اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کی ارواح کا جسموں کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے اجسام کو بھی ایک گونہ راحت یا عذاب ملتا ہے غرضیکہ حیاۃ انبیاء کے عقیدہ میں کوئی ایسی خرابی نہیں اور نہ یہ اتنا بڑا مسئلہ ہے کیونکہ حیات برزخی کو دونوں فریق مانتے ہیں اور یہ بھی دونوں مانتے ہیں کہ انبیاء کی حیات برزخی شہداء سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہے البتہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ بدن کے ساتھ برزخی تعلق ہے یا نہیں۔ جس کی وجہ سے ماننے یا نہ ماننے والا کافر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اور قبور میں انبیاء کی جسمانی حیات ماننا یا نہ ماننا اگر عقائد ضروریہ میں سے ہوتے تو نبی کریم ﷺ اس بات کو صاف صاف بتلاتے اور ہمیں اس عقیدے کی دعوت بھی دیتے۔ مگر قرآن

وحدیث کی رو سے ان عقائد کی تفصیلات یقینی طور پر (قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت) ثابت نہیں اور یہ عقائد نہیں بلکہ نظریات ہیں اس کی وجہ سے ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہنا بہت بڑا جرم ہے۔

اب ہم ان نظریاتی مسائل کے متعلق چند ایسے علماء کرام کی تحریرات نقل کرتے ہیں جن کو پڑھ کر فریقین کے اختلاف میں شدت ختم ہو سکتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے

حضرت حافظ ابن تیمیہؒ سے یہ سوال پوچھا گیا کہ قبر کا عذاب وثواب روح وبدن پر ہوتا ہے یا صرف بدن پر؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

"بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة والجماعة"

ترجمہ: "بلکہ اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب وراحت روح وبدن دونوں کو ہوتا ہے۔"

یہی ابن تیمیہؒ سماع موتی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"مردہ کا قرأت وغیرہ کی آواز سننا حق (ثابت) ہے۔"

(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۷۴)

شیخ عبداللہ نجدیؒ کی رائے

شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ فرماتے ہیں:

"والذی نعتقد ان رتبة نبینا ﷺ اعلیٰ مراتب المخلوقین على الاطلاق فی قبره حیاة مستقرة ابلغ من

حیاة الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل اذھو افضل منهم بلا ریب وانه یسمع من یسلم علیه."

ترجمہ: "جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کا درجہ ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ ﷺ اپنی قبر میں حیاۃ دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ وارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ ﷺ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ ﷺ اس کو سنتے ہیں۔"

(تسکین الصدور ص ۲۶۳ بحوالہ "اتحاف النبلاء" ص ۴۱۵ طبع کانپور)

سماع موتٰی پر مفتی شفیع صاحبؒ کی تحقیق

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی مشہور تفسیر "معارف القرآن" میں مسئلہ سماع موتٰی پر تحقیق کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" ان تسمع الا من یومن بایتنا فهم مسلمون"

"یعنی آپ تو صرف ایسے ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لائیں اور اطاعت قبول کریں۔"

اس پورے مضمون میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس جگہ سننے سنانے سے مراد محض کانوں میں آواز پہنچنا نہیں بلکہ مراد اس سے وہ سماع اور سننا ہے جو نفع بخش ہو۔ جو سماع نافع نہ ہو اس کو قرآن نے مقصد کے اعتبار سے عدم سماع سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آخر آیت میں یہ

ارشاد کہ آپ تو صرف ان لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ایمان لائیں اگر اس میں سنانے سے مراد محض ان کے کان تک آواز پہنچانا ہوتا تو قرآن کا ارشاد خلاف مشاہدہ اور خلاف واقع ہو جاتا کیونکہ کافروں کے کانوں تک آواز پہنچانے اور ان کے سننے اور جواب دینے کی شہادتیں بے شمار ہیں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے واضح ہوا کہ سنانے سے مراد سماع نافع ہے ان کو مردہ لاش سے تشبیہ دیکر جو یہ فرمایا گیا کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، اس کے معنی بھی یہ ہوئے کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کیلئے نافع نہیں۔ کیونکہ وہ دنیا کے دار العمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان و عمل نافع ہو سکتا تھا مرنے کے بعد برزخ یا محشر میں تو سبھی کافر منکر ایمان و عمل حاصل کی تمنائیں کریں گے۔ مگر وہ وقت ایمان و عمل کے قبول ہونے کا وقت نہیں اس لیے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام سن ہی نہیں سکتے بلکہ سماع موتیٰ کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرامؓ کا باہم اختلاف رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماع موتیٰ کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہؓ اس کی نفی کرتی ہیں۔ اسی لیے دوسرے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں بھی دو گروہ ہو گئے۔ بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے، اور قرآن کریم

میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۃ نمل میں آیا ہے دوسرا سورۃ روم میں تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ اور سورۃ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے:

"وما انت بمسمع من فی القبور"

یعنی "آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔" تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر وعنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے مگر ہم اپنے اختیار سے خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں میں بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ تعالیٰ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے، آیت ہے:

"ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون."

یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے اموات کیلئے نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک اور اس دنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی اواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے ارواح کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو سماع موتیٰ کے قائل ہیں ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بناء پر ہے جو انہیں سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے:

"مامن احد یمر بقبر اخیه المسلم کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام"

(ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ صحیحاً عن ابن عمرؓ)

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے مردہ مسلمان بھائی کی قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو وہ مردہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اس کی روح اس دنیا میں واپس بھیج دیتے ہیں۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ مردے سن سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ ان کا سننا اور ہمارا

سنانا ہمارے اختیار میں نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں سنادیں، جب چاہیں نہ سنائیں۔ مسلمان کے سلام کرنے کے وقت تو اس حدیث نے بتلادیا کہ حق تعالیٰ مردہ کی روح واپس لاکر اس کو سلام سنادیتے ہیں اور اس کو سلام کا جواب دینے کی بھی قدرت دیتے ہیں۔ باقی حالات وکلمات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ مردہ ان کو سنے گا یا نہیں؟ اسی لیے امام غزالیؒ اور علامہ سبکیؒ وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ، ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے۔ اسی طرح آیات وروایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں زندوں کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں، بعض کے کلام کو نہ سنیں یا بعض مردے سنیں، بعض نہ سنیں کیونکہ سورۃ النمل، سورۃ الروم اور سورۃ الفاطر کی آیات سے بھی یہی ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سنادیتے ہیں اس لیے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے کا عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لیے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے، نہ قطعی نفی کی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(معارف القرآن ج ۶ ص ۶۰۲ تا ۶۰۴)

حضرت گنگوہیؒ کی رائے

ایک استفتاء میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سماع موتیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"یہ مسئلہ عہد صحابہؓ سے مختلف ملتا ہے اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا تلقین کرنا بعد دفن کے، اسی پر ہی مبنی ہے۔ جس پر عمل کرے درست ہے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ ص۲۲۲)

حیات انبیاءؑ پر شیخ القرآنؒ کی تحقیق

حیاۃ انبیاء علیہم السلام پر تحقیق کرتے ہوئے شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ لکھتے ہیں:

"ان روایتوں اور عبارتوں سے تین باتیں معلوم ہوئیں یہ کہ شہداء اور دیگر اموات کی طرح انبیاء کی ارواح بھی ان کے ابدان سے نکالی جاتی ہیں۔ دوم یہ کہ ان کی ارواح کو ان کے اصل ابدان کے مماثل مشک کافور کے مثالی اجسام دیے جاتے ہیں۔ سوم یہ کہ انبیاء کی ارواح کا مقام اعلیٰ علیین ہے۔ مگر ان کے ابدان مبارک تو قبور ارضی میں مدفون ہوتے ہیں لیکن دیگر اموات کے برعکس ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت اور شرف عطا فرمایا ہے کہ ان کے ابدان قبروں میں بالکل اسی طرح صحیح سالم رہیں گے جس طرح رکھے گئے تھے اور مٹی ان کو نہیں کھائے گی ان کے ابدان کو محفوظ رکھنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے جبکہ غیر انبیاءؑ خواہ شہداء ہوں یا عامۃ المسلمین، ان کیلئے

ایسی کوئی ضمانت نہیں اور اگر کسی شہید یا کسی اور برگزیدہ شخص کا بدن قبر میں محفوظ رہے اور مٹی اسے نہ کھائے تو یہ بھی کوئی بعید نہیں بلکہ عین ممکن ہے۔ باقی رہا ارواح کا تعلق ابدان کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ وآئمہ مجتہدینؒ کے ارشادات واقوال میں تعلق روح بجسم عنصری کا کوئی نفیاً واثباتاً ذکر ہے۔

برزخ میں حیات انبیاء اور حیات شہداء کی جو کیفیت آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے وہ اوپر مذکور ہو چکی ہے اور قرون ثلاثہ سے لیکر آج تک یہی منقول ہوتی آئی ہے لیکن تعلق روح کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔ البتہ چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں "تعلق روح بجسد عنصری" کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔ کسی نے اتصال معنوی سے، کسی نے اشراق، کسی نے اشراف سے اور کسی نے مثل تعلق صاحب خانہ بخانہ وعاشق، بمعشوق وغیرہ الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ یہ تعلق ایسا نہیں ہے جیسا کہ حیات دنیا میں تھا۔ بلکہ یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اس لیے عالم برزخ میں تعلق ارواح بالابدان عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے اچھا مسلک ہے کیونکہ قرون ثلاثہ میں تعلق کا کوئی ذکر نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم تعلق کا اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں کیونکہ متقدمین

میں ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کے قائل ہیں لیکن اس تعلق کے باوجود ان کے مدفون فی القبور ابدان میں کسی قسم کی حرکت یا جنبش پیدا نہیں ہوتی اور نہ قیامت سے پہلے ان کے یہ ابدان قبروں سے باہر نکلیں گے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل اور تسلیم شدہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ برزخ میں انبیاءؑ کو جو حیات حاصل ہے وہ ہمارے ادراک وحواس سے بالا ہے۔ لیکن حیات شہداء سے بھی بہت بلند اور اعلیٰ ہے اور پھر حضرت سید الانبیا ﷺ کی حیات تمام انبیاء سے بھی ارفع واعلیٰ اور اکمل ہے۔"

(جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۹۳)

سماع موتٰی پر شیخ القرآن کی تحقیق

نیز سماع موتٰی کے متعلق تحقیق کر کے لکھتے ہیں کہ:

"سماع موتٰی کا مسئلہ زمانہ صحابہ کرامؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں۔ جن کی نفی واثبات پر اسلام وکفر کا مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی بحث ہے جس میں بحث وتمحیص اور نظر وتحقیق کی گنجائش ہے۔"

(جواہر القرآن ص ۹۰۲)

علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں بعض علماء کے نزدیک مردے سنتے ہیں جبکہ دوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بنا پر سماع موتٰی کی نفی کی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ القرآنؒ اس مسئلہ پر تحقیق کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"ان اکابر مشائخ کی تصریحات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اصل ضابطہ تو عدم سماع موتیٰ ہی ہے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کوئی بات ظاہری اسباب کے بغیر انہیں سنوا دے تو یہ ممکن ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جن احوال میں صحیح اور صریح حدیثوں سے سماع موتیٰ ثابت ہے ان کے علاوہ ہر جگہ سماع موتیٰ کی نفی کی جائے گی اور سماع والی جن حدیثوں کی توجیہ ہو سکتی ہے ان کی مناسب توجیہ کر دی جائے گی جیسا کہ قلیب بدر والی حدیث ہے۔

(جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۴)

علمائے دیوبند اور اشاعت توحید کے اکابرین کے نظریات آپ کے سامنے ہیں ان میں انہوں نے کوئی شدت اختیار نہیں کی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسائل ضروریات دین سے نہیں۔ ورنہ اگر یہ مسائل ضروری اور اجماعی ہوتے تو ہمارے سلف صحابہ کرام اور ائمہ متبوعین کے اجماعی فیصلے اس بارے میں موجود ہوتے۔

نیز قرآن مجید میں ان تفصیلات کو واضح طور پر بیان کیا جاتا۔ کیونکہ ضروری عقائد جن پر فلاح ونجات کا دار ومدار ہے قرآن وحدیث نے ان عقائد کی ضروری تفصیلات کو صاف صاف ایسا بیان کر دیا کہ اب ان میں کبھی بھی دو رائے نہیں ہو سکتیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، ختم نبوت پر ایمان وغیرہ لیکن جب ان مسائل میں تفصیل موجود نہیں اور قرآن وحدیث سے یقینی طور پر ثابت نہیں تو درجہ عقائد سے ہٹ کر نظریات بن جاتے ہیں اور نظریات اور فروعی مسائل کی بناء پر کوئی کافر یا مشرک نہیں قرار دیا جا سکتا۔

مولانا بدر عالمؒ میرٹھی کی رائے

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا بدر عالمؒ نے خوب لکھا ہے وہ حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ میں دلائل پیش کر کے آخر میں فرماتے ہیں:

"اگر انبیاء علیہم السلام کی حیات محدثین کے نزدیک بھی ثابت شدہ حقیقت ہے تو اس کو توحید کے خلاف سمجھنا کسی طرح درست نہیں۔ اسی طرح اس حقیقت کی پرورش کرتے ہوئے اور برگ وبار اپنی طرف سے اس پر لگا دینا بھی خطرناک راستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلفؒ اس بحث میں نہیں پڑے نہ اس کے اثبات میں انہوں نے اور نہ اس کی نفی کا کوئی اہتمام محسوس کیا۔ اس قسم کی مباحث ارباب حقائق نے شروع کیں۔ پھر علماء شریعت نے ان کو نکھارا، شدہ شدہ یہ نااہلوں کے ہاتھ پہنچ کر خطرناک مسائل بن گئے ہم نے بھی جا بجا اس پر تنبیہ کی مگر ان کے زیر بحث آ جانے کے بعد اور وہ بھی بدرجہ مجبوری۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ان مسائل میں جس حد تک حدیث نے تفصیل فرما دی ہے اسی پر قناعت کر لینی چاہئے۔" واللہ الموفق"

(ترجمان السنۃ)

توسل کے بارے میں فریقین کے اختلاف

ان دونوں فریقوں کے اکابر اور صالح شخصیات کے درمیان کچھ عملی مسائل میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً دعاؤں میں ذوات صالحہ پر توسل جائز ہے یا نہیں؟ یہ اکابر علمائے دیوبند کے نزدیک جائز اور مفید ہے اور دوسرے فریق کے نزدیک

ناجائز اور بدعت ہے۔ اس طرح کے مسائل کو بندہ نے ''عقیدہ اور عقیدت'' میں بسط اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان شاء اللہ اس کے پڑھنے سے اعتدال پر آنے کی امید کی جاتی ہے۔ البتہ یہاں صرف اتنا لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ اس پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ نیک اعمال پر توسل کرنا جائز ہے۔ البتہ صالح لوگوں پر توسل کرنے میں اختلاف ہے۔ حضرت حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کی اتباع کرنے والے اس کو ناجائز کہتے ہیں اور جمہور علماء اس کو جائز کہتے ہیں۔

نیز حضرت حافظ ابن تیمیہؒ اور پوری امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام اور صالح لوگوں کے ساتھ اپنی محبت اور عقیدت کے وسیلہ سے سوال کیا جائے کہ ''یا اللہ میرا جو ایمان یا محبت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہے اس کے طفیل فلاں کام کر دے'' تو یہ بھی نیک اعمال پر توسل ہے اور اس کے جائز ہونے میں بھی کوئی شک نہیں۔ کیونکہ توسل بالاعمال تو بالاجماع جائز ہے اور مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ توسل بالاعمال اور توسل بالاشخاص میں کوئی خاص فرق نہیں رہتا اور تاویل و تفصیل کے بعد یہ نزاع صرف لفظی رہ جاتا ہے۔

کیونکہ جو حضرات انبیاء اور صالحین و شہداء کے توسل اور دعا کے قائل ہیں ان کی مراد بھی تو یہ ہرگز نہیں ہوتی کہ وہ ان شخصیتوں کو (العیاذ باللہ) ان کے اوصاف کمالیہ اور ان کی دینی خدمات وغیرہ سے الگ کر کے توسل کرتے ہیں بلکہ ان کی دینی خدمات اور خداداد خوبیاں پیش نظر رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے ان سے عقیدت ہوتی ہے اور ان کے ساتھ محبت ان کے دین کی خاطر عظیم قربانیوں کی وجہ سے کی جاتی ہے جو کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے محبت ہونے کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت شرعی طور پر مطلوب ہے۔ تو یہ محبت اور عقیدت خود ایک پوشیدہ

نیک عمل ہے اور یہاں دراصل اس پوشیدہ عمل کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے جو کہ بالاجماع جائز ہے۔ جیسا کہ اس کا اعتراف خود حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی کیا ہے۔

توسل کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے

چنانچہ کسی شخص کے ذریعہ سوال کرنے کے مختلف اسباب بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''یعنی اس قول کے کہنے والے ''(اے اللہ) میں تجھ سے تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں'' کو اس پر محمول کیا جائے کہ اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ (اے اللہ) میں تجھ سے محمد ﷺ پر ایمان اور ان کے ساتھ محبت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔ اور اسی طرح اور کوئی معنی مراد لیا جائے تو آپ کو یاد ہوگا کہ یہ بلانزاع (بالاتفاق) جائز ہے اور کہا گیا ہے کہ جس کا یہی مقصد ہو تو وہ بلانزاع صحیح ہے اور (اگر) اسی معنی پر ان اسلاف کے کلام کو محمول کیا جائے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ پر توسل کیا جیسا کہ بعض صحابہؓ، تابعینؒ اور امام احمدؒ سے نقل کیا گیا ہے تو یہ اچھا ہوگا اور ایسی حالت میں مسئلہ اختلافی نہیں رہتا۔ لیکن بہت سے عوام اس لفظ کو مطلق بولتے ہیں اور اس سے یہ معنی مراد نہیں لیتے (اور یہی لوگ ہیں جن پر ردّ کرنے والوں نے ردّ کیا ہے)۔''

(القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ ص ٦٢)

پس حضرت حافظؒ یہاں یہ فرماتے ہیں کہ عوام یہ الفاظ ویسے ہی (بلا سمجھے

بوجھے) بول دیتے ہیں اور ان کی مراد اس سے جائز معنی نہیں ہوتا۔ بلاشبہ امام ابن تیمیہؒ نے جو فرمایا وہ کسی قدر صحیح ہے تاہم اس کا جواب توسل کو ماننے والے یہ دے سکتے ہیں کہ قابل غور بات یہ ہے کہ جس سے (اللہ تعالیٰ کیلئے) تعلق ہی نہیں تو اس پر کوئی توسل ہرگز نہیں کرے گا۔ مسیلمہ کذاب یا غلام احمد قادیانی وغیرہ دجال وکذاب پر کوئی مسلمان توسل نہیں کرتا اور نہ ہی عیسائی یہودی یا کسی اور باطل فرقہ کے سربراہ پر توسل کرتا ہے اگرچہ وہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو باوجود پدری محبت کے وہ ہرگز اس پر توسل نہیں کرے گا۔ تو یہ بات اس کی دلیل ہے کہ جب وہ دعا میں آپ ﷺ یا کسی صالح شخص پر توسل کرتا ہے تو آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کیلئے) تعلق ومحبت کی وجہ سے ہی کرتا ہے اگرچہ وہ اس پر تصریح نہیں کرتا۔ تاہم ایک مسلمان سے ظاہر گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور ان کیساتھ عقیدت رکھنے کے طفیل اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے اور وہ اپنے ظاہری اعمال کو نظر انداز کر کے تواضع اور عبدیت کا ثبوت دیتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! میرا تو کوئی عمل ایسا نہیں کہ جس کو میں آپ کی بارگاہ عالی میں پیش کر کے اس کے ذریعے سے دعا کروں۔ البتہ صرف آپ کے رسول ﷺ سے محبت وعقیدت کا تعلق ہے پس اے اللہ! آپ اس تعلق (جو ایک قلبی عمل ہے) کی لاج رکھتے ہوئے میری دعا کو قبول فرمائیے۔

مندرجہ بالا تفصیل کے بعد امید ہے کہ قارئین کرام پر مذکورہ اختلافات کی حقیقت اور صورتحال واضح ہوگئی ہوگی۔ اب ہم دونوں فریقوں سے یہ عرض کریں گے کہ وہ ان فروعی اختلافات کو بنیاد بنا کر امت مسلمہ کے درمیان انتشار وافتراق کا سبب بننے سے بچیں اور ان میں راہ محبت اختیار کریں۔

راہِ اعتدال

منکرین حیات وسماع کو چاہئے کہ وہ فریق مخالف کو گمراہ اور مشرک کہہ کر ان پر بے جا اور بے بنیاد الزامات عائد کر کے کسی بھی بہتان عظیم کے سزاوار نہ ہوں اور اکابرین امتؒ کی توہین اور ان کی شان میں بے ادبی کر کے اپنی دنیا وعقبیٰ برباد کرنے سے سخت اجتناب کریں۔

اسی طرح فریق ثانی کے علماء کرام کو چاہئے کہ وہ ان عقائد میں افراط وتفریط کی ایسی راہ بھی اختیار نہ کریں جس سے اصول دین میں کمزوری پیدا ہونے لگے۔ مثلاً یہ کہ ان عقائد کو بنیاد بنا کر انبیاءؑ سے حاجات طلب کرنا یا یہ کہنا کہ چونکہ وہ سنتے ہیں لہٰذا ان سے طلب بھی کی جاسکتی ہے کسی طرح بھی صحیح نہیں جیسا کہ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی تصریح فرمادی ہے کہ مردوں کو سنانا بھی ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے پس کیوں نہ ہم مخلوقات کے بجائے خالق حقیقی سے حاجات طلب کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو افراط وتفریط سے بچا کر راہ اعتدال پر چلائے اور مفسدین کو ہماری صفوں سے نکال کر صلح وامن کے ساتھ اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔ آمین

اشاعت التوحید والسنہ کے متعلق ایک اہم وضاحت

اس موقع پر ایک اہم امر کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ اس جماعت میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک طبقہ اور گروہ تو ایسے متشدد اور غالی لوگوں کا ہے جو انکار حیات النبی ﷺ اور سماع الموتیٰ کی آڑ میں گستاخ صحابہ کرامؓ

بلکہ گستاخ رسول ﷺ بن گئے۔ایسے لوگ اشاعت التوحید میں اگر چہ بہت ہی کم اور آٹے میں نمک کے بقدر ہیں مگر ہیں ضرور۔

اس طبقے کی اصلاح اور اعتدال پر لانا اور نازیبا الفاظ کو روکنا انتہائی ضروری ہے اور اشاعت التوحید میں دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ان جیسے مسائل میں اکابر علمائے دیوبند کے ساتھ اختلاف تو رکھتے ہیں مگر نہ تو وہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں نہ صحابہ کرامؓ کی شان میں اور نہ ہی اکابر علمائے امت کی شان میں کسی قسم کی بے ادبی کرتے ہیں۔ اور اشاعت التوحید میں ایسے ہی لوگوں کی اکثریت ہے۔اس لیے اشاعت التوحید کے اس بڑے گروہ اور اس کی اکثریت کو صنف اول یعنی متشدد غالی گروہ میں شامل کر کے پوری جماعت پر گستاخ رسول ﷺ یا گستاخ صحابہؓ کا فتویٰ لگانا قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا مختصر بحث سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ توسل وغیرہ ایسے مسائل نہیں جن کی وجہ سے ایک دوسرے کو کافر مشرک اور بدعتی قرار دیا جائے اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت پھیلائی جائے۔اگر اپنے اصل مقصد اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں سچائی کے ساتھ لگ گئے تو انشاء اللہ تعالیٰ مسلمان بہت سے باہمی فروعی اختلافات کے باوجود شیر وشکر ہو جائیں گے۔البتہ اشاعت التوحید والسنہ کے اکابرین سے اتنا ضرور عرض ہے کہ وہ اپنی صفوں کو ایسے ناسور سے پاک وصاف کریں جو عقائد کی آڑ میں انتہائی دل آزار قسم کی گمراہی پھیلا کر امت مسلمہ میں افتراق وانتشار پیدا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی محبت خالص بندگی اور اپنا صحیح اور قوی تعلق نصیب فرمائے۔آمین

چند دیگر فروعی اختلافات کی نوعیت

اور ان میں راہ محبت

دیوبندیوں اور بریلویوں یا اشاعت التوحید والسنہ اور اکابرین دیوبند کے درمیان جس قسم کے اختلافات ہیں اس سے بہت کم درجے کے اختلافات پاکستان کے بعض علاقوں کے علماء کرام کے درمیان پائے جاتے ہیں اور وہ مسائل ایسے ہیں جنہیں علماء امت نے کبھی بھی اختیار نہیں کیا۔ بلکہ بعض پر وہ نکیر بھی کرتے رہے ہیں اور چونکہ وہ مسائل ایسے ہیں جن میں اشاعت التوحید والسنہ والے بھی دیوبندیوں کے ہم خیال ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی اکثریت میں شدت ہے اس لیے وہ ان مسائل کو مطلقاً شرک یا بدعت کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ دیوبندی حضرات انہیں مطلقاً حرام یا ناجائز اور بدعت نہیں کہتے بلکہ ان میں جو خرابیاں ہیں خواہ عملی ہوں یا نظریاتی ان کی تردید کرتے ہیں اور انہیں کی وجہ سے وہ ان اعمال سے روکتے ہیں اور دوسری طرف وہ علماء جو ان اعمال کو اختیار کیے ہوئے ہیں ان میں سے بعض غالی حضرات ان اعمال کے تارک کو وہابی اور گمراہ کہتے ہیں۔ بلکہ بعض متشددین ایسے شخص کو منکر صدقہ وخیرات اور منکر دعا کہہ کر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

ان علماء کا آپس میں جن مسائل میں اختلاف ہے ان میں حیلہ اسقاط، سنتوں کے بعد اجتماعی دعا، کسی خاص دن مثلاً جمعرات وغیرہ میں صدقہ وخیرات یا تلاوت

قرآن مجید وغیرہ مسائل شامل ہیں، جو بہت معمولی اور چھوٹے ہیں مگر ان میں الجھ کر وہ خود اور ان کے ہمنواؤں مسلمانوں کو گروہ بندیوں اور باہمی جدال وانتشار میں مبتلا کردیتے ہیں۔ انہی مسائل کی بنیاد پر مسجدیں جدا ہوتی ہیں، انہی کی بنیاد پر قتل وغارت گری کی نوبت آتی ہے۔

چنانچہ ان چند بے وقعت سے اختلافات کی بنا پر بہت سے مسلمانوں کا ناحق خون تک بہایا گیا اور ان کے گھر جلائے گئے۔ ان سنگین گناہوں کا وبال اگرچہ براہ راست ناحق قتل کرنے والے شخص یا گالی گلوچ کرنے والے کو اٹھانا پڑے گا مگر اس کے اصل ذمہ دار وہ علماء ومقتداء حضرات ہوں گے جنہوں نے ان مسائل کو غلط انداز میں پیش کیا اور جاہل عوام کو ان کی وجہ سے فتنے میں مبتلا کردیا۔ خصوصاً صوبہ سرحد کا حال تو یہ ہے کہ وہاں کسی مسئلہ میں اگر عوام کے سامنے مناظرہ ہوجاتا ہے تو پھر سخت جنگ وجدال کا خطرہ ہوتا ہے اور معاملہ چند لاشیں گرے بغیر کم ہی ختم ہوتا ہے۔ اسی لیے بندہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی بھی طرح مناظرہ تک نوبت نہ پہنچے اور معاملہ اس سے پہلے پہلے ہی ختم ہوجائے۔ الحمد للہ یہ کوشش کامیاب بھی رہی۔ ان علماء کے درمیان منافرت، بغض ختم یا کم ہوگیا لیکن چونکہ یہ اختلافات بار بار سر اٹھاتے ہیں اس لیے ان مسائل کے حل کیلئے کوئی ایسا راستہ نکالنا چاہئے کہ آئندہ ان کی بنیاد پر فتنہ فساد برپا نہ ہوسکے۔

حیلہ اسقاط کا حل

بعض علاقوں میں رواج ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد میت کی طرف سے نماز روزے کے فدیے کو بڑھانے کیلئے ایک حیلہ اختیار کیا جاتا ہے جسے ''حیلہ

اسقاط'' کا نام دیا جاتا ہے۔

اس مسئلہ کے بارے میں عرض یہ ہے کہ بعض علماء نے حیلہ اسقاط کو مخصوص شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ ان شرائط کا بالکل لحاظ نہیں کیا جاتا اور ساتھ ہی اس کے منکرین پر بدترین طریقے سے طعن و تشنیع بھی کی جاتی ہے۔ پس بہتر تو یہ ہے کہ اس کو ترک کر دیا جائے لیکن اگر کوئی شخص اس عمل پر مطمئن ہے تو اول تو اسے اس کی شرائط مدنظر رکھنی چاہئیں دوسرے یہ کہ حیلہ اسقاط کے ترک کرنے والوں پر کسی قسم کی نکیر اور ملامت سے سخت پرہیز کی جائے۔

اور منکرین حیلہ اسقاط کو چاہئے کہ وہ قائلین کی طرف سے یہی دلیل کافی سمجھیں کہ وہ ایک فقیہ کے قول کی بنیاد پر اس عمل کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔

سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء

دعا عبادت بلکہ اس کا مغز ہے۔ قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا حکم دیا گیا جو کہ عام ہے اور کسی بھی قسم کی شرط یا قید اس کیلئے نہیں۔ چونکہ انسان ہر آن ہر لحہ اپنی ہر ہر حرکت وسکون میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اس لیے دعا کیلئے بڑی آسانی کی گئی نہ وضو، نہ جنابت سے پاک ہونا۔ اس بات پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہر مشکل میں خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی عین عبادت اور کار ثواب ہے۔ اس لیے سنتوں کے بعد بھی نصوص عامہ کی رو سے اجتماعی دعا ممنوع نہیں ہونی چاہئے بلکہ جس طرح غیر منصوصہ اوقات میں دعا مانگنا مستحب ہے اسی طرح سنتوں کے بعد بھی یہ مستحب اور ثواب ہے۔ البتہ اس کا اہتمام کر کے معمول بنانا یا اجتماعی دعا نہ کرنے والوں کو برا سمجھنا اور اس پر ملامت کرنا ٹھیک نہیں

کیونکہ ایسی صورت میں یہ مبارک عمل بھی بدعت اور ناجائز ہو جائیگا۔

رمضان کی خاص راتوں میں خاص سورتوں کا پڑھنا

قرآن مجید کی تلاوت کرنا اگر شرائط و آداب کی رعایت کے ساتھ ہو تو عین مطلوب اور پسندیدہ عبادت ہے اسی طرح اس کا سننا بھی عبادت ہے۔ خصوصاً رمضان المبارک کی راتوں میں اور ان میں بھی بطور خاص آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیکن اگر اجتماعی طور پر کسی خاص رات میں کسی خاص سورت کے پڑھنے کا ہمیشہ معمول بنالیا جائے اور اس پر زور بھی دیا جائے تو یہ صحیح نہیں۔ چہ جائے کہ ترک کرنے والوں پر طعنہ بازی اور ملامت کر کے ان کے اس عمل کو بدعت اور ناجائز بنایا جائے۔

لہٰذا وہ لوگ جو اس کا اہتمام کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ اگر وہ اس عمل کو ترک نہیں کرتے تو کم از کم نہ کرنے والوں کے خلاف تشدد آمیز رویہ اختیار کر کے ایک صریح ناجائز امر کے بھی مرتکب نہ ہوں۔

کسی خاص دن یا خاص وقت میں صدقہ کرنا

صدقہ وخیرات کے متعلق صدقہ اگر صحیح طریقہ سے ہو، صحیح نیت کے ساتھ ہو، تو ہر وقت نیکی اور ثواب کا کام ہے۔ رمضان شریف کو صدقہ دیا جائے یا پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کو ہر وقت اس کی اجازت ہے۔ لیکن کسی خاص دن یا رات کو کسی شرعی دلیل کے بغیر دائمی معمول بنالینا ٹھیک نہیں البتہ اگر اس خاص دن کا اہتمام کسی انتظامی مصلحت کی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں مثلاً یہ کہ جمعہ کے روز کا معمول بنایا جائے کہ اس دن چھٹی ہوتی ہے، لوگوں کو آنے جانے میں آسانی ہوتی ہے اس طرح

کھانے میں زیادہ لوگ شریک ہوسکیں گے یا کوئی صاحب ثروت شخص غرباء اور فقراء کی سہولت کیلئے مہینہ یا ہفتہ میں کوئی خاص دن مقرر کرلیتا ہے تاکہ انہیں وہ دن یاد رہے اور وہ بن بلائے خود آکر اپنی قسمت لے لیں۔ خود نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک معمر اور بزرگ صحابیہؓ کا معمول تھا کہ وہ جمعہ کی نماز کے بعد کچھ میٹھا وغیرہ پکا کر نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو کھلایا کرتی تھیں (دیکھئے صحیح بخاری کتاب الاطعمہ ج ۲ ص ۸۱۳) اگر ان صحابیہؓ کا یہ معمول بھی سامنے نہ ہو تب بھی کسی انتظامی مصلحت یا کسی اور وجہ سے اگر کوئی شخص کسی کار خیر کا کسی وقت معمول بنائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور تمام علماء امت کے نزدیک جائز ہے البتہ اگر کسی مخصوص دن میں صدقہ نہ کرنے والوں پر تنقید کی جائے تو یہ ناجائز ہے۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ صدقہ و خیرات میں ان متفقہ صورتوں پر عمل کر کے جن پر امت کا اتفاق ہے باہمی نزاع اور اختلاف سے حتی الوسع احتراز کیا جائے۔

علماء کرام سے ایک درخواست

مندرجہ بالاتحریر کے بعد ہماری علماء سے ایک درخواست ہے کہ وہ ایک دوسرے سے نیک گمان رکھیں۔ جب تک برائی اور منکر کا کھلا ثبوت نہ ملے اس وقت تک خواہ مخواہ کسی کی نیت پر حملہ نہ کریں اور ان کی طرف سے یہی دلیل کافی سمجھیں کہ یہ لوگ مطلق حکم پر عمل کرتے ہیں مثلاً جو لوگ سنتوں کے بعد بلا التزام اجتماعی دعا کرتے ہیں اور خود کہتے ہیں کہ ہم اسے فرض، واجب یا ضروری نہیں سمجھتے اور نہ اس کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ نماز سے فراغت کے بعد جو لوگ مسجد میں رہ جاتے ہیں وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی جبر و اکراہ اور تنگ دلی کے ایسا کرتے ہیں تو ان کی نیتوں پر حملہ کرنا ٹھیک نہیں کہ جی یہ لوگ دعا نہیں کرتے وہ محض رواجی طور پر ہاتھ اٹھاتے ہیں بلکہ یہ حسن ظن رکھنا چاہئے کہ یہ صدق قلبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں مانگ رہے ہیں۔ دوسری طرف جو لوگ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا نہیں کرتے ان پر بھی ملامت نہ کی جائے کہ یہ لوگ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں یا اپنے آپ کو (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے بے نیاز سمجھتے ہیں یا یہ لوگ دعا کے منکر ہیں۔ بلکہ ان کے متعلق یہی حسن ظن رکھنا چاہئے کہ اگر سنتوں کے بعد یہ لوگ اجتماعی دعا نہیں کرتے تو انفرادی طور پر تو اپنے لیے دعا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سنتوں کے بعد بھی مصلحت کی وجہ سے یہ لوگ اجتماعی دعا نہیں کرتے ہوں گے مثلاً یہ کہ جن نمازوں کی سنتیں ہیں ان کے بعد نفل پڑھنا بھی جائز ہوتا ہے سب جانتے ہیں کہ کوئی شخص نفل پڑھتا ہے اور کوئی نہیں پڑھتا،

کوئی زیادہ نوافل پڑھتا ہے کوئی کم۔ اب اگر محلہ والوں سے یہ کہا جائے کہ سنتیں پڑھ کر ضرور بیٹھا کریں تا کہ اجتماعی دعا کی جائے تو یہ کسی فقیہ کے نزدیک بھی جائز نہیں اور اگر امام سنتوں کے بعد از خود جہراً دعا مانگنا شروع کر دے تو اس کے ساتھ ضرور کچھ شریک ہو جائیں گے۔ لیکن اس کی وجہ سے باقی نمازیوں کی نماز میں خلل پڑے گا یا شاید اس مصلحت سے یہ لوگ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا نہیں کرتے کہ نبی کریم ﷺ کا معمول یہ نہ تھا کیونکہ آپ ﷺ اپنے گھر ہی میں سنت ادا کرتے تھے۔

سنتوں کے بعد دعا جیسے مسائل سے اختلاف کرنے والے بعض لوگ تو وہ ہیں جو دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کی رائے اوپر ذکر کی گئی ہے کہ وہ سنتوں کے بعد دعا کو مطلقاً ناجائز اور بدعت نہیں کہتے۔ بلکہ اس کے التزام اور دوام کو ناجائز کہتے ہیں ان لوگوں کا اختلاف قائلین کے ساتھ زیادہ شدید نہیں چنانچہ ان میں اتفاق واتحاد کی تحریر اوپر لکھ دی گئی ہے البتہ ''اشاعت التوحید والسنت'' سے وابستہ لوگ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو مطلقاً ناجائز اور بدعت کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا معمول سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا نہ تھا۔ ہماری ان کی خدمت میں صرف اتنی گزارش ہے کہ فریق مخالف پر بدعتی ہونے کا فتویٰ نہ لگائیں کیونکہ قرآن وحدیث میں دعا مانگنے کا حکم عام اور مطلق ہے اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا معمول گھر میں سنتوں کو ادا کرنے کا تھا جس کی وجہ سے مسجد میں اجتماع ہی نہیں رہتا تھا کہ مسجد میں اجتماعی دعا کی نوبت آتی۔

لہٰذا اگر سنتوں کے بعد اجتماعی دعا بغیر کسی خاص اہتمام والتزام کے ہو تو مستحب اور کار ثواب ہے اور اگر کوئی شخص اجتماعی دعا نہیں کرتا بلکہ انفرادی دعا کرتا ہے تو وہ بھی قابل مذمت نہیں بلکہ سنت پر ہی عمل کر رہا ہے۔

چند تجاویز

جن پر عمل پیرا ہو کر اتحاد قائم کیا جا سکتا ہے

اختلافات کی نوعیت معلوم ہو جانے کے بعد اب ہم چند تجاویز پیش کرتے ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو انشاء اللہ اہل سنت والجماعت کے مختلف گروہوں کے درمیان باہمی تصادم کافی حد تک ختم ہو جائے گا۔

(ا) اہل سنت کے متفقہ عقائد کی تعلیم

ہمیں چاہئے کہ ہم متفقہ اور اجتماعی عقائد اور مسائل پر زور دیں جو کہ یہ ہیں:

- ☆ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔
- ☆ اللہ تعالیٰ کا ذات وصفات میں یکتا ہونے پر ایمان لانا۔
- ☆ فرشتوں پر ایمان لانا۔
- ☆ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سابقہ کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا۔
- ☆ قرآن مجید کے کامل اور مکمل ہونے اور اللہ تعالیٰ کی آخری اور محفوظ کتاب ہونے پر ایمان لانا۔
- ☆ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ایمان لانا۔
- ☆ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں کو انسان وبشر، گناہوں سے پاک اور تمام انسانوں سے بہت بلند ترین اخلاق واوصاف سے متصف ماننا۔
- ☆ محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر ماننا اور یہ ایمان رکھنا کہ ان کے بعد کوئی نبی

نہیں آئے گا۔

☆ نبی کریم ﷺ کی سنتوں اور آپ ﷺ کے ان ارشادات کو جن کا ثبوت حدیث نبوی سے ہو چکا ہے حجت ماننا۔

☆ تقدیر پر ایمان لانا۔

☆ محشر کے دن دوبارہ قبروں سے اجسام کے ساتھ زندہ ہو کر جمع ہونا۔

☆ شفاعت کبریٰ کو ماننا، نیز شفاعت کو اللہ تعالیٰ کے اذن سے ماننا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے وہی شفاعت کرے گا اور انہیں افراد کے حق میں کر سکے گا جن کے بارے میں اجازت دی جائے گی۔

☆ حساب وکتاب، میزان، دوزخ وجنت، حور وغلمان اور جن چیزوں کا ثبوت قرآن وحدیث سے یقینی طور پر ثابت ہے ان سب کو ماننا۔

☆ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور آپ کے اختیار میں کسی کو شریک نہ ماننا۔

☆ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو بھی نفع اور نقصان کا مالک نہ ماننا۔

☆ قبر اور برزخ کی زندگی میں عذاب وراحت کو ماننا۔

☆ حضرات انبیاءؑ، خصوصاً نبی کریم ﷺ کیلئے قبر اور برزخ میں امتیازی حیات کو ماننا۔

☆ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ماننا۔

☆ ظلم، زنا، سود، شراب، فحاشی اور ذرائع فحاشی وغیرہ کا ممنوع ہونا خلاصہ یہ کہ جس قدر عقائد واحکامات اور حلال وحرام چیزیں قرآن وسنت سے یقینی طور پر ثابت ہیں ان کو ماننا۔

اس کے علاوہ علماء اہل سنت والجماعت کے مندرجہ ذیل فیصلوں کے مطابق عمل کیا جاوے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کی محبت شرط ایمان ہے اور قرآن وسنت میں حکم دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ سے تمام انسانوں، رشتہ داروں اور دنیا کی ہر ہر چیز سے بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہونی چاہئے اور شرعی حدود کے اندر رہ کر جس قدر بھی نبی کریم ﷺ کی محبت کو بڑھایا جائے عین محمود اور مطلوب ہے۔ لہٰذا درود شریف کی کثرت کی جائے یا سیرت پاک کا مطالعہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ صحیح معنوں میں اتباع رسول ﷺ پر ڈالنے والی چیزیں ہیں۔

☆ نبی کریم ﷺ کی توہین کرنا یا اللہ تعالیٰ کے کسی بھی شعار کی توہین کرنا کفر ہے۔ حضور ﷺ کے بارے میں ایسے الفاظ کہنا جن سے آپ ﷺ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کا ادنیٰ شائبہ بھی ہو ممنوع اور حرام ہے۔

☆ کسی بھی مخلوق کو نفع اور ضرر کا مالک سمجھ کر کچھ مانگنا بالاتفاق شرک ہے۔

☆ اگر کوئی شخص کسی مخلوق سے اس انداز میں سوال کرے جس سے گمان غالب یہ ہو کہ اس مخلوق ہی کو مالک اور مختار مان کر مانگا جا رہا ہے، مثلاً یوں کہا جائے کہ اے فلاں میری بینائی لوٹا دے یا مجھے بیٹا دیدے، تو یہ الفاظ شرکیہ اور ممنوع ہیں البتہ ان الفاظ کا کہنے والا اگر مسلمان ہے تو اس پر اس وقت تک مشرک ہو جانے کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا جب تک اس سے پوچھ گچھ نہ کی جائے اور اس کا عقیدہ معلوم نہ کیا جائے۔ اگر استفسار کے بعد وہ کہتا ہے کہ میرا مطلب یہ تھا کہ اے فلاں آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے بیٹا دیدے تو وہ شرک نہیں البتہ ایسے الفاظ بولنے سے آئندہ کیلئے منع کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ الفاظ شرکیہ اور ممنوع ہیں اور شریعت مطہرہ نے صرف شرکیہ ہی نہیں بلکہ موہم شرک الفاظ کے استعمال کو بھی ممنوع اور کار گناہ ٹھہرایا ہے۔

☆ اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کے باوجود اس تاویل کو نہیں مانتا بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ میں نے فلاں سے جو بیٹا مانگا ہے یا بینائی لوٹانے کی لئے جو کہا ہے اس سے میرا مطلب دعا کی درخواست نہیں بلکہ خود اس سے مانگنا ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے اس کو مافوق الاسباب اختیار دے کر نفع اور ضرر کا مالک بنا دیا ہے تو اس صورت میں وہ مشرک قرار دیا جائے گا۔

☆ اگر کوئی شخص کسی بزرگ کے پاس جاتا ہے اور صرف اتنا کہتا ہے کہ میری بینائی چلی گئی ہے یا میرے اولاد نہیں ہے یا بارش نہیں ہو رہی ہے تو ان الفاظ کا واضح مقصد یہی ہوتا ہے کہ یہ مصیبت پیش آئی ہے آپ دعا کریں کہ اللہ تعالٰی اس کو دور کر دے اور ایسا کرنا بعض صحابہ کرامؓ سے بھی ثابت ہے اس لیے اس طرح کے الفاظ حرام اور ممنوع نہیں ہیں البتہ اگر کسی جاہل کی ان الفاظ سے بھی مراد وہی جو کہ اوپر گزری تو اس صورت میں اگر چہ یہ الفاظ شرکیہ نہیں لیکن شرکیہ عقیدہ ہونے کی وجہ سے وہ شخص مشرک ہو جائے گا اور ایسے لوگوں کے عقائد کی اصلاح کرنا ضروری ہے۔

(۲) مسلمانوں کو سمجھانے کا طریقہ

مسلمان عوام کو سمجھانا بھی چاہئے لیکن ان کے سمجھانے کیلئے ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کا عمل اور عقیدہ بھی ٹھیک ہو جائے اور ان کی تحقیر و تذلیل بھی نہ ہو۔

مثلاً ایک واعظ اپنے وعظ میں اگر صرف اتنا کہتا ہے کہ "اگر کوئی شخص کسی مخلوق سے مافوق الاسباب چیز مانگتا ہے مثلاً یہ کہ مجھے بیٹا دے دو تو اس سے کوئی اس وقت تک مشرک نہیں ہو جاتا جب تک عقیدہ بھی شرکیہ نہ ہو یا یوں کہتا ہے کہ زنا، غیبت، جھوٹ کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا، اور پھر اپنے وعظ و تبلیغ کا رخ دوسری طرف

کردیتا ہے تو اس سے نقصان یہ ہوگا کہ لوگ اس گناہ کو ہلکا سمجھ لیں گے کیونکہ اگرچہ زنا وغیرہ سے انسان کافر تو نہیں ہوتا لیکن ان جرائم کی شدت اور حرام ہونے کا ذکر بھی ضروری ہے تاکہ لوگ حرام میں نہ پڑ جائیں۔ نیز حرام کو حلال کر کے کافر نہ ہو جائیں۔

اسی طرح اگر معاملہ شرک اور شرکیہ الفاظ کا ہو تو مسلمان بھائیوں کو سمجھایا جائے کہ اگر کسی بزرگ سے کوئی درخواست کرتا ہے کہ مجھے شفاء دیدو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بزرگ شفاء دینے پر قدرت رکھتا ہے تو اس کی وجہ سے ایک انسان مشرک ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کا مقصد ان الفاظ سے صرف یہ ہو کہ یہ بزرگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا دیدے تو اس صورت میں اگرچہ وہ مشرک نہیں ہو جاتا مگر پھر بھی چونکہ یہ الفاظ شرکیہ ہیں جو شریعت مطہرہ میں ناجائز اور ممنوع ہیں اس لیے ایسے الفاظ سے بھی قطعاً پرہیز کریں کیونکہ ایسے الفاظ اگرچہ درست عقیدہ کی بنیاد پر ہوں پھر بھی ایک تو یہ شریعت میں ممنوع ہیں۔ دوسرا نقصان اس سے یہ ہوگا کہ سادہ عوام یہ دیکھ کر کہ فلاں شخص نے ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگی ان کا عقیدہ بھی خراب ہو جائے گا اور جب دوسروں کا عقیدہ آپ کی وجہ سے خراب ہوگا تو اس کا وبال بھی آپ پر ہوگا۔

نیز یہ بھی خیال رہے کہ وقت کے لحاظ سے وعظ نصیحت میں سختی اور نرمی کا ہونا پہلے سے چلا آ رہا ہے انبیاء کرام اور علماء ربانیینؒ کا شیوہ رہا ہے کہ وہ لوگوں کے رخ دیکھ کر نہیں چلتے بلکہ وہ جرائم کے طوفان کیساتھ ٹکر لیتے تھے اور جس قدر کوئی جرم عام ہوتا اس جرم کے دور دور کے اسباب کو بھی ختم کر دیتے تھے۔ مثلاً جب شرک اور بت پرستی عام تھی تو نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو قبروں کی زیارت سے بھی روک دیا تھا لیکن جب

مسلمان اسلام میں پختہ ہو گئے اور یہ خدشہ جاتا رہا تو حکم فرمایا:

"نھیتکم عن زیارة القبور فزوروھا"

"میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب ان کی زیارت کر لیا کرو"

(مسلم مشکوٰۃ)

شراب کی کلی حرمت کا حکم جب نازل ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان مٹکوں وغیرہ کے استعمال سے بھی صحابہ کرامؓ کو روک دیا جن میں وہ شراب بناتے تھے یا جن میں وہ شراب پیتے تھے۔

جب شراب کے خیالات دماغوں سے نکل گئے اور لوگوں کے دلوں میں شراب کی نفرت پیدا ہو گئی تو ان مٹکوں وغیرہ کے استعمال سے پابندی ہٹا دی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اکثر مصلحین اور علماء کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جب ٹی وی اور وی سی آر عام ہو گیا اور تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اسی ٹی وی وغیرہ کی وجہ سے عقائد میں بگاڑ پیدا ہوا اور پردہ نشین عورتیں ننگے لباس میں پھرنے لگیں، چھوٹے چھوٹے بچے جنسی بدفعلی میں مبتلا ہو گئے لیکن یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود ہمارے ارباب فکر ٹی وی وغیرہ کے نتائج سے بے پرواہ ہو کر فوٹو اور عکس جیسی بحث میں الجھ گئے یا دشمن نے ان کو اس میں الجھا دیا جس کی وجہ سے عوام کو بہانہ مل گیا اور اپنی فحاشی اور بے راہ روی کے لئے جواز مل گیا۔ اللہ تعالیٰ ہی ایسے ارباب فکر کو ہدایات دیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کو صفحہ ہستی سے مٹا کر ان سے اپنی زمین کو پاک کر دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں چاہئے کہ حالات کو دیکھیں کہ قوم کس برائی میں مبتلا ہے اور

اس کیلئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ عوام کا عقیدہ اور عمل درست ہو جائے اور باہمی افتراق بھی نہ ہونے پائے مثلاً جہاں لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں وہاں ان مسائل کو نہ چھیڑیں کہ قبر کو سجدہ کرنا شرک ہے یا نہیں؟ بلکہ اس پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے۔ پس علماء کو چاہئے کہ وہاں اس فعل قبیح کی حرمت بیان کر کے عوام کو سختی سے منع کریں ورنہ اگر اس مسئلہ کے متعلق علمی بحثیں چھیڑی گئیں تو عوام کے سامنے بدیہی حرام کے جواز کی صورت پیدا ہو جائے گی اور کچھ بعید نہیں کہ یہ عوام اس حرام قطعی کو حلال قرار دے کر کفر کے مرتکب ہونے لگیں۔

اسی طرح فحاشی وعریانی بالاتفاق حرام اور عظیم جرم ہے لہٰذا اس کے متعلق فوٹو اور عکس کی بحث کو نہ چھیڑیں بلکہ ٹی وی کے نتائج کو دیکھیں اور ایسے تمام اسباب کا قلع قمع کریں جو مسلمانوں میں ظلم، فحاشی، عریانی اور عقیدہ وعمل کی خرابی کا باعث بن جاتے ہیں۔

(۳) عقائد میں غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب

مذکورہ عقائد واحکام اور ان کے سلسلہ میں جو طرز عمل اختیار کیا گیا ان سے تو شاید کوئی اختلاف نہیں رکھتا ہوگا۔ البتہ بعض عقائد ایسے بھی ہیں جیسے حیات النبی ﷺ اور عذاب قبر وغیرہ کہ اگر ان میں بے جا تفصیل کی جائے اور بال کی کھال اتاری جائے تو اختلافات پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے اس لیے اگر ہم ان میں تفصیل کے بجائے اجمال پر ہی اکتفاء کریں تو بہتر ہوگا جیسا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا معمول رہا، اسی لیے ان سے کچھ تفصیلات منقول بھی نہیں بلکہ یہ ساری تفصیلات بعد کے علماء نے لکھی ہیں۔ لہٰذا انہیں یقینی اور قطعی نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ سب فروعی تفصیلات ہیں ان میں بہتر یہی ہے کہ انہیں ان کی جگہ پر رکھا جائے اور فروعی سمجھا جائے کھینچ تان کر انہیں اصول بنانا

اور پھر ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا درست نہیں۔ آخر ہمارے اسلاف حضرات صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی فروعی مسائل میں اختلاف رہا ہے لیکن انہوں نے کبھی ان کو اصولی نہیں سمجھا اور ائمہ اربعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے درمیان ہزاروں فروعی مسائل میں اختلاف ہے۔

ایک امام ایک چیز کو حلال سمجھتا ہے اور دوسرا اس کو حرام یا مکروہ، ایک عمل ایک امام کے نزدیک فرض ہے اور دوسرے کے نزدیک سنت، ایک امام کے نزدیک ایک کام عین سنت ہے اور دوسرے کے نزدیک ناجائز اور مکروہ ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خون بہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور پھر نیا وضو کیے بغیر نماز درست نہیں ہوتی جب کہ امام شافعیؒ کے بقول وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ خون بہنے کے باوجود نماز ہو جاتی ہے۔

اگر وہ حضرات (اللہ تعالیٰ ان کی قبور کو انوار و تجلیات سے بھر دے) ہماری طرح خود ساختہ اور منطقی دلائل کے ذریعے کھینچ تان کر ان فروعی مسائل کو اصولی بنا دیتے تو آسانی سے ایک دوسرے پر کافر، مشرک اور بدعتی کے فتوے لگا سکتے تھے۔ مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک کچھوا کھانا حلال ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حرام۔ اب حنفی لوگ کہتے کہ شوافع جو کچھوا کھاتے ہیں وہ شرک فی الاطاعت کے مرتکب ہیں اور شوافع کہتے کہ احناف کچھوا نہ کھا کر شرک فی الاطاعت کرتے ہیں۔

نیز ایک کہہ سکتا تھا کہ جو چیز مثلاً قراۃ خلف الامام سنت نہیں بلکہ مکروہ ہے اس کو سنت کہنا بدعت ہے اور کہنے والا بدعتی ہے اور دوسرا بھی کہہ سکتا تھا کہ سنت کو مکروہ کہنا سخت گمراہی اور گناہ ہے لہٰذا جو شخص ایسا کہتا ہے وہ گناہگار اور گمراہ ہے۔ لیکن ہمارے اسلاف نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہزاروں مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک

دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے، ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے، ایک دوسرے کے بارے میں ایسے طرز عمل سے بچتے تھے جس سے کسی کے متعلق نفرت پھیل سکتی ہو بلکہ وہ تو ایک دوسرے کی تعریفیں کیا کرتے تھے۔ دراصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف تھا۔ وہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کے عین مطابق ہوتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جو چیز میری تحقیق کے مطابق بدعت یا ناجائز ہے اس کے پاس بھی اپنے عمل یا نظریہ کی شرعی دلیل موجود ہے وہ بھی اپنی خواہشات نفسانی کے پیروی نہیں کر رہا۔ آخر اس نے بھی کسی فقیہ یا امام پر اعتماد کر کے اس مسئلہ کو اختیار کیا ہے اور مسئلہ بھی ایسا نہیں جو اسلام کی اصولی تعلیمات سے متصادم ہو تو ایسی صورت میں کسی شخص پر فاسق و فاجر یا بدعتی ہونے کا فتویٰ لگا دینا اپنی ہی آخرت کو برباد کرنا ہے۔

ہمیں بھی چاہئے کہ اسلاف کی طرح فروعی مسائل کو صرف اپنے حلقہ تدریس میں بیان کریں اور اپنے زیر اثر لوگوں کو سمجھا دیا کریں کہ فلاں عمل اگرچہ ہماری تحقیق کے مطابق ناجائز یا بدعت ہے۔ لیکن چونکہ اس کا ناجائز اور بدعت ہونا اختلافی ہے یہ بھی واضح ہو کہ اختلافی مسائل سے مراد ہر کسی کا اختلاف نہیں بلکہ ائمہ مجتہدینؒ اور فقہائے امتؒ اور ثقہ اہل علم کا اختلاف ہے جس کے بارے میں اصول ترجیح کے مطابق ترجیح سے کام لیا جا سکتا ہے لہٰذا تردید کی گنجائش نہیں جبکہ دوسرے علماء کے نزدیک یہی عمل ناجائز یا مستحب ہے اس لیے اس کی وجہ سے کسی پر بدعتی یا بے دین ہونے کا فتویٰ لگانا صحیح نہیں۔ ساتھ ہی اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ اپنے شاگردوں اور زیر اثر لوگوں کے سامنے مخالف فریق کے متعلق کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالی جائے جس کی وجہ سے

ان کے دلوں میں اس کی حقارت یا اس سے بدظنی پیدا ہو جائے۔

(۴) تبلیغ وتردید کا دائرہ

اہل علم حضرات سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اختلافی مسائل کی تبلیغ یا تردید عام اجتماعات یا عام بیانات میں نہ کیا کریں کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ تبلیغ وتردید یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف متفقہ معروفات اور متفقہ منکرات میں ہوتا ہے۔ یہ اختلافی مسائل تو ترجیحی مسائل ہیں لہذا ان میں جو نظریہ اور روّیہ جس کے نزدیک رائج ہے وہ اس کو اختیار کر لیتا ہے۔

(۵) مشترکہ مجلس علمی کا قیام

اہل سنت والجماعت کے باہمی اختلافات کی وجہ سے پیدا ہونے والے تصادم کے تصفیہ کیلئے ہماری ایک تجویز یہ ہے کہ ایک مشترکہ مجلس علمی (کمیٹی) قائم کی جائے جو تمام مکاتب فکر کے منتخب اور معتمد جید علماء کرام پر مشتمل ہو، اس مجلس کو یہ امر سونپا جائے کہ وہ تمام فروعی اختلافات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں مطالعہ کر کے ان کے درمیان کوئی ایسی راہ اعتدال تلاش کرے جو تمام مکاتب فکر کیلئے قابل قبول ہو اور پھر باقی علماء کو چاہیے کہ وہ اس مجلس کی مخلصانہ کوششوں کو سراہتے ہوئے اس کے متفقہ فیصلوں پر عمل درآمد کرنے کی مکمل کوشش کریں۔

ہمیں امید ہے کہ ہماری پیش کردہ مندرجہ بالا تجاویز کا تمام اہل علم حضرات تہہ دل سے خیر مقدم کرتے ہوئے ان پر عمل فرما کر امت مسلمہ کو مزید افتراق وانتشار کا شکار ہونے سے بچائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا مخلص بندہ بنائے۔

(آمین ثم آمین)

علماء کرام کو گمراہ کرنے کیلئے شیطان کا طریقہ کار

دین کی تڑپ رکھنے والوں اور مذہبی خدمات سے وابستہ حضرات کی صلاحیتوں کو برباد کرنے اور انہیں اصل کام سے ہٹانے کیلئے شیطان اور اس کے ساتھیوں کا ہمیشہ سے یہ حربہ رہا ہے کہ وہ انہیں آپس میں لڑاتے ہیں اور ان کے نفوس کو جو دین کی خدمت کے اعلیٰ ترین کام میں لگے ہوتے ہیں اپنا کھلونا، بنا لیتے ہیں اور یوں شیطان ملعون ایک چھوٹے سے اختلاف کو ذاتی مخالفت بنا کر ان سے اس قدر بے اعتدالیاں کراتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف یوں کام کرنے لگتے ہیں جس طرح یہ اختلاف ان کی ذاتیات کی لڑائی ہے اور جس میں ہر قسم کے حربے کو استعمال کرنا جائز سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں مخلص دینی جماعتیں اپنی آخرت برباد کر لیتی ہیں اس سلسلہ میں شیطان اور اس کے چیلوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ اکثر وہ پہلے سے موجود یا قدیمی چلا آنے والا کوئی اختلافی مسئلہ اٹھواتے ہیں یا ویسے ہی کسی مسئلہ کو خواہ مخواہ اختلافی ظاہر کرواتے ہیں پھر اس پر بحثیں کی جاتی ہیں۔ فضول اور بے مقصد نکات اٹھائے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی قولاً وفعلاً تردید کی جاتی ہے۔ مضامین اور کتابیں لکھی جاتی ہیں، غیض وغضب کا اظہار کیا جاتا ہے، نہتوں پر حملہ کیا جاتا ہے، بدگمانیاں قائم کی جاتی ہیں ایک دوسرے کے خلاف ذہن سازی کی جاتی ہے اور عوام الناس کو ایک دوسرے سے لڑوایا جاتا ہے۔ اس طرح

دونوں فریق جو خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہوتے ہیں مقصد سے ہٹ کر خود بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور لوگوں کی آخرت بھی تباہ کراتے ہیں۔

مسئلہ حیات وممات میں غلو

مثلاً حیات النبی ﷺ کا مسئلہ اٹھایا گیا اس نکتہ پر خوب بحثیں کی گئیں۔ اسی طرح یہ مسئلہ کہ مرنے کے بعد روح کا تعلق جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے یا منقطع ہو جاتا ہے؟ یہ صرف ایک علمی بحث ہے جس کے نہ ہم مکلف تھے اور نہ ہیں اور نہ ہم سے اس کے بارے میں آخرت میں سوال وجواب ہوگا۔ لیکن پھر بھی اس مسئلہ کو جو کہ خالص غیبی نوعیت کا ہے نازیبا مباحث کر کے دونوں گروہ دو انتہاؤں پر جا پہنچتے ہیں اور ایک دوسرے کی ضد میں بے جا عقیدت یا توہین کر کے کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ حضرات انبیاءؑ اپنے عنصری اور مادی جسم کے ساتھ ہر جگہ حاضر ہوتے ہیں وہ ہر بات کی مشاورت کرتے ہیں، انہیں ہر چیز کا علم ہوتا ہے وغیرہ جب کہ دوسرے بعض لوگ دوسری انتہا میں اس درجہ بڑھ جاتے ہیں کہ بالآخر نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے لگتے ہیں اور زبان سے ایسے ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جس کو سن کر خود شیطان بھی لرز جائے۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شان میں ادنیٰ بے ادبی کرنا بھی کفر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے پیغمبر ﷺ کی شان میں معمولی بے ادبی کرنے سے بھی واضح الفاظ میں روک دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

"لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی"

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو جو کہ حضور اقدس ﷺ کے

ایک ایک بال پر جان قربان کرنے والے تھے اور معمولی سی بے ادبی کا تصور بھی دل میں نہ لا سکتے تھے حکم دیا کہ:

"لاتقولوا راعنا و قولوا انظرنا"

مشاہدہ یہ ہے کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں بعض اوقات اس قدر غلو کیا جاتا ہے کہ انتہائی دریدہ دھنی دکھائی جاتی ہے اور آپ ﷺ کے بارے میں ایسے الفاظ زبان سے نکالے جاتے ہیں جو انتہائی گستاخی پر مبنی اور عین کفر ہیں مثلاً یہ کہ (العیاذ باللہ) آپ ﷺ کی قبر کو کھود کر دیکھ لیتے ہیں اور آپ ﷺ کو چٹکی بھرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ آپ حرکت کرتے ہیں یا نہیں؟ اس طرح کی گستاخی کے الفاظ ایک مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ یہ بدتمیزی منافقین یا یہود کا شیوہ رہی ہے۔

دیکھئے مسائل میں اختلاف ہونا اور چیز ہے جس کا تعلق بالعموم فروعی اور ترجیحی نوعیت کا ہوتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرنا بالاتفاق کفر ہے۔

تحقیق یا توہین

اسی طرح شیطان کا ایک طریقہ کار یہ بھی ہے کہ وہ بعض اوقات اہلِ علم کو تحقیق کے چکروں میں ڈال کر توہین کی تاریک گھاٹیوں میں اتار دیتا ہے لہٰذا جو حضرات تحقیقی مزاج رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو کسی خاص مسئلہ کی تحقیق میں صرف کیا انہیں چاہئے کہ وہ عجب اور خود رائی میں مبتلا نہ ہوں اور نہ اپنی تحقیق کی وجہ سے اکابرین امت کی توہین کریں اور نہ تحقیق نہ کرنے والوں پر الزام لگائیں، یہ تحقیق اکابرین کی توہین ہے۔ آج کل جامعیت نہ ہونے کی وجہ سے نیز صرف دین کے ایک

آدھ پہلو پر نظر ہونے کی وجہ سے بھی بہت بڑی وباء پھیل گئی ہے کہ جو اشخاص ریسرچ اور تحقیق کا کام کرتے ہیں ایک ہی رُخ پر سوچنے کی وجہ سے اکثر ان میں غلو پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ انہیں وہ اعمال بھی بدعت یا گمراہ کن معلوم ہوتے ہیں جو سلف صالحین اور علماءؒ و مشائخ کے ہاں مختار رہے ہیں اور وہ اس قدر جری ہو جاتے ہیں کہ صرف اس ایک مسئلہ کی وجہ سے وہ اسلاف کو کافر و مشرک یا بدعتی تک کہہ ڈالتے ہیں اور اعلانیہ کہتے ہیں کہ جو لوگ اس عقیدے یا عمل پر مر گئے تو وہ کافر یا مشرک یا بدعتی ہو کر مرے ہیں۔ مثلاً یوں کہتے ہیں کہ اگر سماع موتٰی یا عدم سماع موتٰی کا عقیدہ خواہ کسی بزرگ کا بھی ہو تو وہ کافر یا بدعتی ہے۔ بلاشبہ یہ بہت ہی خبیث ترین اور گمراہ کن سوچ ہے جس سے دشمنان اسلام فائدہ اُٹھا کر اسلاف امت سے اعتماد اُٹھا دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقائد اور نظریات حضرات صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی مختلف رہے ہیں۔ اگر اسی طرح اپنی اپنی رائے پر تشدد روا رکھا گیا تو یہود کی بڑی سازش ہے کہ کسی طرح اولاً مسلمانوں کو حضرات صحابہ کرامؓ اور اسلاف ائمہ متبوعینؒ سے کاٹ دیا جائے اور پھر قرآن اور حدیث سے بھی اعتماد اُٹھا دیا جائے۔ آخر ہزاروں مسائل ایسے ہیں جو ہمارے اسلاف کے اندر ہمیشہ اختلافی رہے ہیں۔ سینکڑوں تفردات ایسے ہیں جنہیں جمہورؒ امت نے درست قرار نہیں دیا۔ لیکن ان کیوجہ سے (العیاذ باللہ) کسی صحابیؓ یا تابعیؒ امامؒ یا فقیہؒ کو کافر مشرک یا بدعتی نہیں کہا گیا۔ جبکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا خود اپنے شاگردوں حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ سے بہت سے فروعی مسائل میں اختلاف رہا ہے اور بعد کے فقہاءؒ احناف نے ان میں سے کسی بھی ایک کے قول کو اختیار کر لیا ہے۔ لیکن کبھی انہوں نے ان مسائل کیوجہ سے نہ تو اپنے اسلاف کو نہ اپنے اساتذہ کو نہ ہی

دوسرے اور علماء کو برا بھلا کہا اور نہ ہی ان کے متعلق بدعتی یا گمراہ ہونے کے فتوے لگائے اور نہ ان مسائل کی وجہ سے ان میں سے کوئی ان کی نظروں سے گرا۔ اسی طرح ان مسائل میں اختلاف کرتے ہوئے انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ جس بات کو ہمارے استاد یا شیخ نے اختیار کیا تھا۔ اگر میں اسے بدعت یا ناجائز کہہ دوں یا جس عمل کو میرے استاد یا شیخ نے جائز کہا تھا اگر میں اس کو ناجائز ثابت کر دوں تو یہ چیز میرے استاد اور شیخ کے چہرے پر بدنام داغ بن جائے گی۔ اور میں اس بے چارے کو بدعتی یا حلال کو حرام کہنے والا بنا دوں گا۔ وجہ یہ ہے کہ اسلاف امت آپس میں بدگمانیاں نہیں رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے جو شخص ہم سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرتا ہے وہ اس میں خوب اچھی طرح تحقیق کر کے یا کسی حدیث کی وجہ سے یا کسی فقیہ پر اعتماد کر کے ایسا کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کی جائے۔

اسی طرح یہ رویہ بھی غلط اور گمراہ کن ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں تحقیق کرے اور اس کی تحقیق اسلاف ؒ میں سے کسی سے اختلاف رکھتی ہو تو خود تحقیق کرنے والے کے بارے میں بدگمانی کی جائے اور یہ کہا جائے کہ وہ اکابرین اور اسلاف کی مخالفت کرتا ہے اور اس طرح سے ہمارے اسلاف بدعتی یا گمراہ قرار پاتے ہیں کیونکہ اس سے علمی تحقیق کا دروازہ سرے سے بند ہی ہو جائے گا۔

مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام ؓ کے مشاجرات اور باہمی تنازعات میں کون حق پر تھا اور کس سے اجتہادی غلطی ہو گئی تھی ان مسائل میں نہ الجھا جائے اور نہ ہی اپنی گراں قدر توانائیاں

اس لغو کام پر صرف کی جائیں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ حضرات صحابہ کرامؓ کی محبت وعقیدت عوام میں کم ہو جائے گی۔ ان قابل احترام ہستیوں کے بارے میں تو وہی رویہ اختیار کرنا ضروری ہے جس کی راہنمائی ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے ملتی ہے۔

"تلک أمة قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم و لا تسئلون عما کانوا یعلمون"

پس علماء کو چاہئے کہ وہ اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقائد کو دلائل سے سجا کر عوام الناس کے سامنے بیان کیا کریں۔ ان کے ایمان مضبوط کریں۔ ان میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم' اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی محبت' رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک سنت سے محبت اور اس پر عمل کا جذبہ پیدا کریں اسلاف امت سے محبت خصوصاً صحابہ کرامؓ کی عقیدت دلوں میں بٹھائیں۔ انہیں اچھے اخلاق سے آراستہ کریں۔ ان میں معاملات کی صفائی اور کھرا پن پیدا کریں ان کے دلوں میں کھلے منکرات مثلاً زنا' بدنظری' فحاشی وعریانی اور ان کے اسباب اور ظلم وستم' ناحق قتل وسود وغیرہ کے خلاف شدید نفرت پیدا کریں اور ان میں ان منکرات کے خلاف جدوجہد کرنے کا جذبہ ابھاریں اور ان کے دلوں سے دنیا کی محبت نکالنے اور آخرت کی محبت پیدا کرنے کی فکر کریں۔ ان کے دلوں میں اچھے جذبات ابھارنے اور ان پر امت کو لانے کے لئے اچھے اعمال' اچھے اخلاق اور فضائل کی تعلیم دیں۔ ان کے سامنے منکرات کی وعیدیں بیان کریں' سیرت پاک اور نبی کریم ﷺ کا عملی نمونہ زبان اور عمل سے لوگوں کے سامنے پیش کریں' رسول اللہ ﷺ کی بزرگی اور صحابہ کرامؓ کے فضائل بیان کریں۔ قیامت جنت' دوزخ کے تذکرے کریں نیز اپنے ملنے جلنے والوں

کوذکر،اذکار،استغفار،درود شریف پر لگائیں۔جہاد کا جذبہ پیدا کریں،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے اور منکرات کو مٹانے کے طریقے سکھائیں اور دشمنانِ اسلام کے عزائم سے انہیں آگاہ کریں ان کی خفیہ تدبیروں اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے انہیں باخبر رکھیں۔انہیں ان کے پیروپیگنڈہ سے متاثر نہ ہونے دیں۔انہیں دشمنوں کے جال میں نہ پھنسنے دیں۔اپنے ماتحتوں کو دشمنانِ اسلام کی چالوں سے آگاہ فرمائیں۔مثلاً یہ کہ وہ توحید یا تحقیق یا اہلِ بیتؓ کی محبت یا صحابہ کرامؓ کی محبت کی آڑ میں رسول اللہ ﷺ کی محبت اور اسلاف کی محبت کو دلوں سے نکال دیں گے یا محبت وعقیدت کے لباس میں شرک یا شرکیہ اعمال پر ڈال دیں گے یا قرآن وحدیث کے پردے میں خودرائی اور ہوائے نفس میں مبتلا کر دیں گے۔نیز علماء کرام کو چاہئے کہ وہ دین کے کسی ایک جزو یا شعبہ کو ایسے انداز میں پیش نہ کریں جس سے دین کے دوسرے شعبوں یا کسی جز کی اہمیت ختم ہو کر اسلام کا حلیہ بگڑ جائے۔

بدگمانی اور بدزبانی

محض شک اور گمان کی بناء پر کسی پر الزام نہ دھریں اور اس پر کفر شرک کا فتویٰ نہ لگائیں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ لازم اور التزام میں بہت بڑا فرق ہے۔فتویٰ اور حکم لازم پر نہیں بلکہ التزام پر لگایا جا سکتا ہے۔بولنے والے اور لکھنے والے کی بات و تحریر سے جو مفہوم نکلتا ہے اس کو لازم کہتے اور معنی کا صاحب تحریر اقرار اور اعتراف کرتا ہے یا اس کے کلام کا مکمل سیاق وسباق کوئی معنی متعین کرتا ہے تو اسے معنی التزامی کہتے ہیں پس اگر کسی شخص کی تحریر یا تصویر میں معنی لازمی اور معنی التزامی میں فرق ہو تو ایسی صورت میں معنی التزامی پر حکم لگایا جائے گا نہ کہ لازمی معنی پر چنانچہ صرف مفہوم لازمی کو دیکھتے ہوئے کرتا ہے تو پھر یہ شخص پر بے جا الزام ہے۔اور ایسی صورت میں

اس پر کوئی حکم لگانا غلط اور شریعت کی حدود سے تجاوز اور ظلم ہے۔ مثلاً ایک آدمی نے کوئی ایسی بات کی کہ اگر اس کے ایک رُخ کو دیکھا جائے تو کسی بزرگ کی گستاخی معلوم ہو رہی ہے اور دوسرے رُخ کو دیکھیں تو اس سے اس کی بزرگی اور رفعت شان معلوم ہوتی ہے تو ایسی صورت میں سیاق وسباق کلام اور تحریر کو دیکھ متکلم کی بات کو سمجھنے کی پوری کوشش کریں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی اپنے بیان میں کہتا ہے کہ کھجور کی ٹہنی کو ستر بنا کر (آگے گاڑھ کر) اس کے سامنے نماز پڑھنا صحیح ہے۔ لیکن اگر فلاں بزرگ اسی جگہ بیٹھ جائے تو اس طرح نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ تو اس مسئلے کا اگر ایک رخ دیکھا جائے تو یہ بزرگ کی گستاخی معلوم ہوتی ہے کہ لکڑی سے بھی اس گھٹیا بنا دیا گیا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ اس بزرگ کی بہت بڑی عظمت کو بیان کر رہا ہے' کیونکہ سادہ لکڑی گاڑھ دینے سے نمازی کے دل میں لکڑی کی عظمت کا خیال نہیں آتا اور نہ یہ ابہام واشتباہ ہے کہ وہ اس لکڑی کی عبادت کر رہا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر وہ اس بزرگ ہستی کے سامنے نماز پڑھتا ہے' تو اس کی طرف خیال لگ جاتا ہے اور اس کی عظمت دل میں ہوتی ہے' جس کیوجہ سے رکوع وسجود کے وقت بھی اس بزرگ کا خیال سامنے ہوگا یا کم از کم یہ اشتباہ ہو جائے گا کہ وہ اس بزرگ کی عبادت کرتا ہے تو اس بناء پر لکڑی کی طرف منہ کرنا جائز ہوگا اور یہ بزرگ کی گستاخی نہیں بلکہ اس کی عظمت کا بیان ہے کہ معظم ومکرم ہو جانے کیوجہ سے اس کی طرف رُخ نہیں کیا جا سکتا۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی مخلوق کی عبادت ہو اور نہ عبادت کا شائبہ ہو۔

آج کل کی بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ متکلم اور تحریر کنندہ چیخ چیخ کر پکارتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ میرا مطلب وہ نہیں جو آپ میرے عمل یا تحریر سے نکالتے ہیں۔ لیکن ہم اس کی بات کو نہیں سنتے بلکہ اس کے قول وفعل کو وہ غلط معنی پہناتے ہیں جس کا خود

متکلم انکار کرتا ہے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ کو بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں جسے صحیح مسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ سے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''انصار میں ایک آدمی تھا جو مسجد سے زیادہ دور رہتا تھا اور اس کا حال یہ تھا کہ اس سے کوئی نماز بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ سے نہیں چوکتی تھی (یعنی مسجد نبوی میں حاضر ہو کر ہر نماز نبی کریم ﷺ کے پیچھے پڑھتے تھے) حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہہ دیا کہ بہتر ہوگا کہ تم اندھیری راتوں میں مسجد تک سواری کے لئے ایک گدھا خرید لو تو وہ کہنے لگا مجھے تو یہ بات پسند نہیں کہ میرا گھر نبی کریم ﷺ کے پہلو میں ہو حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات بہت بری معلوم ہوئی جس سے میرے دل پر بہت ہی بوجھ پڑ گیا۔ حتیٰ کہ میں نے اس بات کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو بلایا اور ان سے دریافت کیا تو انہوں نے وہی کچھ عرض کیا جو انہوں نے پہلے کہا تھا اور ساتھ یہ بھی عرض کی کہ میں نے یہ رویہ اس امید پر اختیار کیا ہے کہ مجھے قدموں کا ثواب مل جائے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو فرمایا کہ تمہیں وہی ثواب ملے گا جس کی تم نے نیت کی ہے۔'' (مسلم)

اس روایت میں انصاریؓ کا یہ کہنا کہ میں تو نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ اس سے بظاہر غلط بات نکلتی ہے کہ گویا (العیاذ باللہ) ان کو آپ ﷺ کی رفاقت پسند نہیں اس لئے قریب نہیں رہنا چاہتے لیکن صحابیؓ نے اس بات اور معنی کا التزام نہیں کیا تھا اور اس سے بھی بڑھ کر وہ ہر نماز نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے اور آپ ﷺ کے دیدار کا شرف بھی حاصل کرتے تھے۔ بلکہ وہ ہر روز پانچوں وقت نماز اور دیدار کے لئے پیدل چلنا برداشت کر کے زیادہ ثواب کمانے کے طلبگار تھے اور اپنے عمل سے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شدید محبت کو ثابت کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں چاہئے کہ اگر کسی کے فعل یا قول سے دو متضاد معنی نکلتے ہیں تو ایسی صورت میں خود متکلم سے اس کا معنی معلوم کیا جائے اور اگر متکلم زندہ نہیں تو ایسی صورت میں اس کی عبارت کے معنی اس کی عملی زندگی اور اس کے آگے پیچھے کی تحریر و تقریر سے متعین کئے جائیں اور کوشش یہ کریں کہ اس کے کلام کو اس کے اچھے اور صحیح معنی پر محمول کریں۔ ہر مسلک والوں کو چاہئے کہ وہ قابلِ اعتراض عبارتوں کیساتھ ایسی وضاحت وتشریح لکھ دیں کہ بزرگوں کی عبارتوں سے عوام غلط معنوں میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس کیوجہ سے اس بزرگ شخصیت کے متعلقین اور محبین بھی گمراہی سے بچ جائیں گے۔ نیز اس سے امت ایک دوسرے سے مربوط ہو جائے گی۔ (التحسو الأخیکم الأعذار) یعنی اپنے بھائی کیلئے کوئی نہ کوئی عذر تلاش کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کے اختلافی مسائل میں شیطان مسلمانوں کو افراط و تفریط میں مبتلا کر دیتا ہے اور انہیں گمراہ کر کے بعض اوقات کفر وشرک تک لے جاتا ہے۔ اس لئے صالح، پاک دامن اور خداترس لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے غالی لوگوں سے اپنی برأت کا اظہار کریں۔ اور ایسے لوگوں کو اپنی جماعتوں سے نکال باہر کریں تا کہ ان کیوجہ سے سادہ مسلمان دھوکہ میں آ کر کہیں شیطان کے جال میں نہ پھنس جائیں۔ نیز اگر ہم اپنی اپنی جماعتوں میں ایسے غلط لوگوں سے بھی برأت کا اظہار نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی ان کے ساتھ ان کے حقیقی کفر وشرک میں شریک ہیں۔

تقریباً ہر مکتبہ فکر میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کہ اپنی جماعت یا جمعیت سے محبت کی وجہ سے یا خباثت نفس یا کسی سازش کے تحت صریح شرک کو پھیلاتے ہیں۔ یا

نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ یا ائمہ متبوعین مجتہدین اور بزرگان دین کی توہین وتحقیر کرتے ہیں لہٰذا ہر مکتبۂ فکر کے اکابرین وقائدین کو چاہیئے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو سمجھائیں کہ وہ ان ناروا اور مجرمانہ حرکات سے باز آجائیں نیز ہر ایسے شخص سے برأت کا اعلان کریں جو اپنے قول وفعل سے شرک پھیلاتا ہے یا بزرگان دین کی توہین وتحقیر کرتا ہے یا نبی اکرم ﷺ کی شان اقدس میں لب کشائی کو روا رکھتا ہے۔

آخری بات

مندرجہ بالا تحریر کے بعد ایک بار پھر علماء کرام کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ وہ بدگمانی میں مبتلا ہونے کی بجائے ایک دوسرے سے حسن ظن رکھیں جب تک کسی برائی اور منکر کا کھلا ثبوت نہ مل جائے اس وقت تک خواہ مخواہ کسی کی نیت پر حملہ نہ کریں۔

الغرض علماء کو اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھ کر ایسے اختلافات کو جنم دینے سے باز رہنا چاہیئے جن کے نتیجے میں فریقین کو کھلے عام ان لاؤڈ سپیکروں پر گالی گلوچ اور لعن طعن سننی پڑتی ہے جو صرف اور صرف دین کی تبلیغ کے لئے خریدے گئے ہیں اور شاید لاؤڈ سپیکروں کا یہ سب سے برا استعمال ہے کہ ہم امت میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی بجائے امت کو انتشار و تشتت کی وادیوں میں لے جانے میں یورپ کے آلہ کار بن رہے ہیں۔

ہر مسلمان کے دل میں پورے دین پر عمل کرنے اور اسلام کے عملی نفاذ کیلئے جدوجہد کرنے کی تڑپ پیدا کریں تو اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے غیض و غضب کا مادہ شیطان اور شیطانی لوگوں کے خلاف استعمال ہونا شروع ہو جائے گا اور اس طرح ظلم و بربریت اور بدامنی سے نجات پا کر انسانیت سکون کا سانس لے سکے گی۔

الحمدللہ اس کا تجربہ کربوغہ شریف میں ہو چکا ہے ابھی چند سال قبل ہی ہم نے وہاں اس طرز پر کام شروع کیا اور ابھی ہمارے کارکنوں کی تعداد سینکڑوں بھی نہیں ہوئی ہے پھر بھی یہ مشاہدہ ہے کہ جہاں بھی پندرہ بیس کارکن پیدا ہو جاتے ہیں وہاں گردو پیش میں ایک انقلاب آنا شروع ہو جاتا ہے۔ عریانی وفحاشی اور ظلم و بربریت کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ آپس کی برسوں پرانی لڑائیاں خوش اسلوبی سے ختم ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطاء فرمائے کہ ہم اپنی اپنی ذاتیات سے باہر نکل کر امت کی فکر کرنے والے بنیں اور دین حق کی نصرت کیلئے کمر بستہ ہو جائیں اور پورے دین کو ساری دنیا میں عملی طور پر نافذ کر کے دنیا کے سامنے اسلام کا عملی نقشہ لے آئیں اور دنیا والوں کیلئے اپنی زبان سے اور اپنی سیرت سے دین حق کے گواہ بن جائیں۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

آمین یارب العالمین

بندہ محمد مختارالدین

۷ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ / ۷ اپریل ۱۹۹۵ء

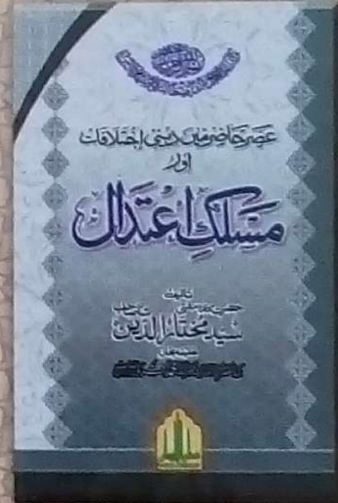
حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

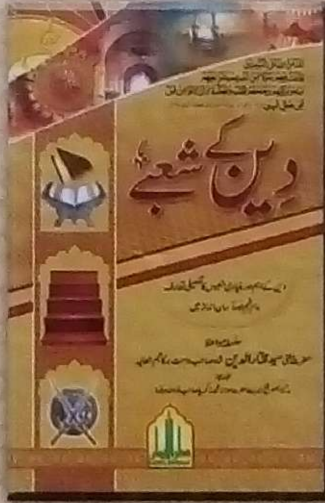
کی دیگر تصانیف

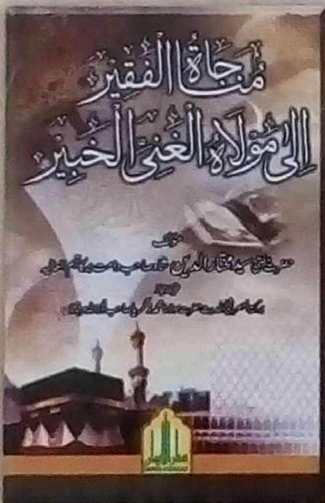


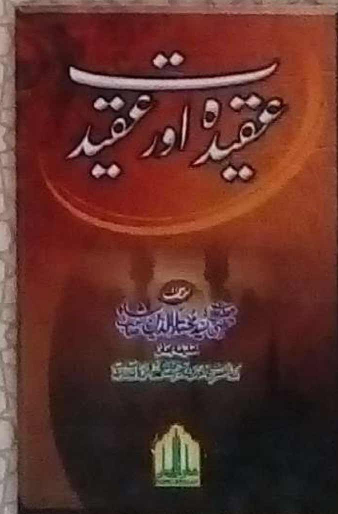


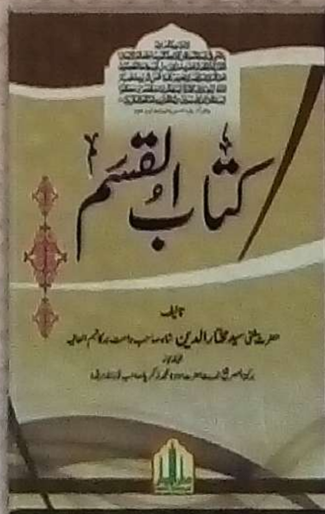


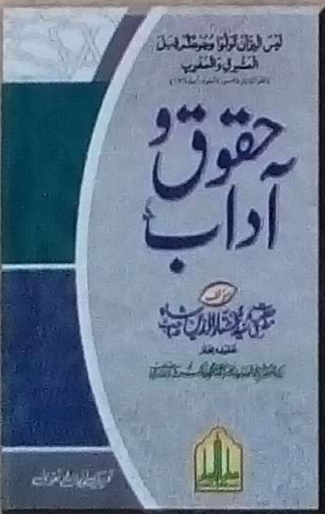












www.daruleeman.com